ماہنامہ **محدّث** بنارس

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا عبدالوہاب حجازی

معاون مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی — **مولانا عبدالمتین مدنی**

عدد مسلسل: ۳۴۰
جلد: ۳۰ ، شمارہ: ۴

جمادی الاولی ۱۴۳۳ھ

اپریل ۲۰۱۲ء

اس شمارہ میں

۱- درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲- درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۴
۳- افتتاحیہ	مدیر	۵
۴- مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ......	مولانا اسعد اعظمی	۷
۵- یہ جوڑ رہے..........!	عبدالسمیع محمد ہارون سلفی	۱۴
۶- آپ ﷺ کی شفقت ورحمت	محمد اسلم مبارکپوری	۱۶
۷- تعلیم قرآن- حقیقت واہمیت	مفتی کلیم رحمانی	۲۰
۸- مطالعہ تاریخ کے بعض اصول وضوابط	ابومسعود عبدالجبار سلفی	۲۳
۹- استغفار کے فضائل ومسائل	محمد اظہر بن اصغر علی السلفی	۳۱
۱۰- بدگمانی اور اس کے مضر اثرات	سعید الرحمٰن عبدالمجید	۳۵
۱۱- حروف سبعہ ایک علمی جائزہ	حمید حسن فضل حق	۳۷
۱۲- عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۲
۱۳- دو الم ناک حادثے	مولانا عبدالمتین مدنی	۴۳
۱۴- اخبار جامعہ	ادارہ	۴۵
۱۵- لجنۃ الثقافۃ	صفی الرحمٰن محمد اشفاق حسین	۴۶
۱۶ - باب الفتاوی	مولانا نورالہدی سلفی	۴۷

بدل اشتراک

- ہندوستان: 150 روپے
- بیرون ممالک: 40 ڈالر
- فی شمارہ: 15 روپے

مراسلت کا پتہ

دار التالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱جی، ریوڑی تالاب
وارانسی - ۲۲۱۰۱۰

Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

ان دوفرقوں میں سے امن کا کون زیادہ مستحق ہے اگر تم جانتے ہو؟ (سورہ انعام:۸۱)

(۵) عبداللہ سعود بن عبدالوحید

میں نے اوپر ذکر کیا کہ ہمارے سامنے دوراستے ہیں، ایک اجتہاد اور غور وفکر کا، دوسرا عدم اجتہاد اور اندھی تقلید کا، اسلامی شریعت کی جانکاری اور اس پر عمل کرنے کے لیے ہم انہیں دوطریقوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرتے ہیں۔

اگر اسلامی شریعت اور اسلام کے احکام ومسائل مکمل طور پر کتابی شکل میں ہوتے اور اللہ کے رسول محمد ﷺ اس کو ہی کوڈ بنادیتے تو پھر نہ کوئی اختلاف ہوتا اور نہ اسلام میں اس کثرت سے فرقے بنتے، مگر اللہ رب العالمین جو اس عالم کا پیدا کرنے والا ہے اور جس نے انسان کو اس دنیا کی خلافت عطا فرمائی وہ بہتر جانتا ہے کہ رہتی دنیا تک کیا کیا چیزیں آنے والی ہیں، اور انسان کو کن کن مسائل سے دوچار ہونا ہے، اس لیے اس نے امت محمدیہ کے لیے جو آخری امت ہے گذشتہ امتوں کی طرح صحیفہ نہ دیا بلکہ اس شریعت کو محمد ﷺ پر ۲۳ سال میں نازل کیا جس کو آپ نے عملی صورت میں پیش فرمایا اور اپنے اولین مخاطب صحابہ کرام کو اس کی مکمل تربیت دی۔ ۲۳ سالہ دور کے اختتام پر سورہ مائدہ کی آیت مبارکہ: ﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الإِسْلاَمَ دِيْنًا﴾ نازل فرما کر اس کی تکمیل کا اعلان کردیا کہ آج ہم نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کردیا، اور تم پر اپنی نعمت کی تکمیل کردی اور تمہارے لیے اسلام کو دین ومذہب کے طور پر پسند کرلیا ہے۔ اسی اسلام اور اسی شریعت کو نجات اور کامیابی کا راستہ بتایا گیا، جس کو اپنا کر صحابہ کرام کی جماعت کو ہر میدان میں عزت، سرخ روئی اور فتح حاصل ہوتی گئیں، صحابہ کرام کی جماعت وہ جماعت تھی جو شریعت محمدیہ سے پہلے نہ تو منظم تھی، نہ ان کے اندر اخلاق عالیہ کی صفات تھیں اور نہ ہی وہ جہاں بینی وجہاں بانی جانتے تھے۔ قرآن میں اللہ تعالی نے ان کو غور وفکر کی دعوت دی اور ان کے اندر سمع وطاعت کا جذبہ جگایا اور اسلام کے پیغمبر محمد ﷺ سے وہ والہانہ لگاؤ اور محبت پیدا کیا اور آپ نے ان کی ایسی تربیت کی کہ ان کی زندگی کا مقصد آخرت کی کامیابی وآخرت کی نجات ہوگیا۔ دنیا کی دلفریبی اور عیش وعشرت کی رنگینیاں ان کے لیے ہیچ وبے معنی تھیں، بڑی سے بڑی دولت اور قیصر وکسری کے خزانے اور جواہرات سے جڑے ہوئے فرش وتخت ان کے لیے بے قیمت چیزیں تھیں۔ وہ جان چکے تھے کہ محمد ﷺ جس عظیم نعمت کو لیکر آئے ہیں جس کو اللہ تعالی نے "أَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ"، اور "وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلإِيْمَانِ" کے ذریعہ واضح کردیا ہے، ان کے لیے دنیا ومافیہا کے مقابلہ سب سے پیاری اور سب سے قیمتی ہے، وہ محمد ﷺ کی اطاعت کرتے تو اسی کے لیے، آپ سے محبت کرتے تو اسی کے لیے اور آپ پر مرمٹتے تو اسی کے لیے۔ کیونکہ وہ جان چکے تھے کہ اللہ رب العالمین کی رضا اور خوشنودی کے

بغیر ہماری نجات نہیں۔ نماز بھی اسی کے لیے ہے، زکوۃ وصدقات بھی اسی کے لیے ہے، روزہ وحج بھی اسی کے لیے ہے، اور آپ کی اطاعت وآپ سے محبت بھی اسی کے لیے ہے۔ قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ ۔ (سورہ آل عمران: ۳۱) (اے محمد!) آپ ان سے کہہ دیجئے: اگر سچ مچ اللہ سے محبت ہے اوراس کی رضا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔ یعنی آخرت کی نجات، اللہ کی رضا وخوشنودی اور دنیا وآخرت کی کامیابی، محمد کی اطاعت وتابعداری سے مربوط کردی گئی ہے۔ اب آپ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے، آپ سے محبت اللہ سے محبت ہے، آپ کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے اور آپ سے ناراضگی اللہ سے ناراضگی ہے، صحابہ کرام اس کو اچھی طرح سے سمجھ چکے تھے، اسی لیے اس جماعت نے محمد ﷺ کے ساتھ ایسا والہانہ برتاؤ پیش کیا کہ دنیا ایسی مثال پیش نہیں کرسکتی، ایک اسلام کا دشمن بھی گواہی دیتا ہے کہ ہم نے بڑے سے بڑے بادشاہوں کا دربار دیکھا ہے مگر محمد کے ساتھی جو محبت اور عقیدت محمد سے رکھتے ہیں ویسا نہ میں نے قیصر کے دربار میں پایا نہ کسری کے دربار میں، جب محمد کچھ بولتے ہیں تو وہ ایسے گوش برآواز رہتے ہیں جیسے ان کے سر پر چڑیا بیٹھی ہو، جب کوئی حکم کرتے ہیں تو سب اس کو اپنانے کے لیے لپک پڑتے ہیں۔

صحابہ کرام کی عملی زندگی میں سمع وطاعت کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، نماز کی حالت میں قبلہ تحویل کرلینا، منہ سے لگی نشہ آور شراب کو چھوڑ دینا۔ حضرت کعب بن مالک کا تمام لوگوں کے بائیکاٹ کے بعد اپنی بیوی کو بھی آپ کے حکم پر الگ کردینا، زنا کے ارتکاب کے بعد خود سے اپنے جان کو رجم وسنگسازی کے لیے پیش کرنا۔ اس جیسی بہت سی مثالیں ہیں جو سب ایمانی قوت اور سمع وطاعت کی دلیلیں ہیں۔

اللہ کے آخری رسول محمد ﷺ جس دین وشریعت کو لے کر آئے اور جس دین وشریعت کی پابندی کی ہم کو دعوت دی گئی ہے اور جس دین وشریعت کو اپنا کر ہم نجات پاسکتے ہیں، یہ وہی دین وشریعت ہے جو محمد ﷺ پر ۲۳ رسالہ دور نبوت میں مکمل ہوا ہے، جس کی ایک اساس قرآن مجید ہے اور دوسری احادیث رسول، یعنی آپ کا فرمان وعمل اور اس کے لیے صحابہ کرام کا بیان، یعنی قولی، عملی وتقریری احادیث جس کے بارے میں خود اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے جب تک تم ان دونوں چیزوں کو پکڑے رہوگے کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔ اور اسی طریقہ کو ماننے والا جو آپ ﷺ اور صحابہ کرام کے زمانہ کے طریقہ کو اپنائے اور دین کی پیروی کرنے میں اسی منہج پر عمل کرے جو صحابہ کرام کا تھا۔ اختلاف امت کے وقت صحیح راہ پانے والا ہوگا۔

(جاری)

☆☆☆

درس حدیث

بدشگونی شرک ہے

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلطِّيَرَةُ شِرْكٌ – وَمَا مِنَّا – وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ. (سنن ابوداود، ح:۳۹۱۰، سنن ترمذی:۱۶۱۴، سنن ابن ماجہ:۳۵۳۸)

ترجمہ: صحابی رسول عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: بدفالی شرک ہے اور ہم میں سے کوئی نہیں، مگر اللہ تعالی اسے توکل کے ذریعہ ختم کردیتا ہے۔

اسلام میں عقیدہ کی صحت اور اس کی درستگی کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی دعوت کا آغاز مکہ میں پائی جانے والی بدعقیدگی کی اصلاح سے ہی فرمایا اور اہل مکہ میں رائج پذیر فاسد عقیدوں پر سخت نکیر فرمائی اور انہیں توحید یا اس کے مستلزمات کے منافی قرار دیا، بدفالی اور بدشگونی کا مرض بھی مشرکین مکہ میں عام تھا، جانوروں کی بولیاں اور ان کے دائیں یا بائیں پرواز کرنے سے وہ فال اور شگون لیا کرتے تھے، اللہ کے رسول ﷺ نے اس جاہلانہ عقیدہ کی تردید فرمائی، اسے شرک اور توکل کے منافی قرار دیا اور اس قسم کے باطل عقیدے یا شیطانی وسوسے کے علاج کا طریقہ بھی امت کو بتلایا۔

مذکورہ بالا حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے بدفالی کو شرک قرار دیا ہے، اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالی کے علاوہ بھی اس کائنات میں کوئی چیز مستقل بالذات نفع پہنچانے والی یا نقصان پہنچانے والی ہے، یا یہ کہ فال اور شگون کے ذریعہ سے انہیں خیر حاصل ہوجائے گا اور وہ شر اور نقصان سے محفوظ ہوجائیں گے تو یہ شرک ہے اور اس قسم کے عقیدہ سے منع کردیا گیا۔

اس کے بعد "وما منا" ہم میں سے کوئی نہیں، اس کے بارے میں امام ترمذی نے امام بخاری کا یہ قول نقل کیا، یہ میرے نزدیک مرفوع حدیث کا حصہ نہیں بلکہ عبداللہ بن مسعود کا مدرج کلام ہے۔ (جائزۃ الاحوذی ۳/۱۰۴)

اور شراح حدیث نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا کہ ہم میں سے ہر شخص کے دل میں اس قسم کے وسوسے پیدا ہوتے رہتے ہیں، اس لیے کہ نفوس اس کے عادی ہیں۔

اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی توکل کے ذریعہ سے اس قسم کے وسوسوں سے نجات دیتا ہے، اس لیے ایک مسلمان کو چاہئے کہ اپنے عقیدہ کو درست رکھے، اللہ کی ذات پر اعتماد اور بھروسہ رکھے، وہی نافع وضار ہے، ہر چیز پر قادر ہے، جو چاہتا ہے وہ وجود پذیر ہوتا ہے اور اللہ کے حکم کے بغیر اس کائنات کا ایک پتا بھی نہیں ہلتا، ومن يتوكل على الله فهو حسبه ان الله بالغ أمره قد جعل الله لكل شيء قدرا۔ (طلاق:۳) جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے گا اللہ اس کے لیے کافی ہوگا اور اپنا کام پورا کرکے ہی رہے گا، اللہ نے ہر چیز کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ آج مسلم معاشرہ بھی اس قسم کی بداعتقادی کا شکار ہے، صبح کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھتا ہے تو کہتا ہے آج پورا دن خراب ہوگیا، نئے گھر میں منتقل ہوتا ہے، اس کے بعد اس گھر میں کوئی حادثہ ہوگیا، اسے اپنے لیے منحوس سمجھنے لگتا ہے، اس طرح کے باطل عقیدہ کی اور بھی شکلیں مسلمانوں میں عام ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ عقیدہ کو درست کیا جائے اور بدشگونی سے بچا جائے۔ بدشگونی حرام اور شرک ہے۔

☆☆☆

افتتاحیہ

اصحاب رسول ﷺ کے موضوع پر اکتیسویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر

سلفیان ہند کے سب سے عظیم دعوتی وتنظیمی ادارہ ''مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند'' کے زیر اہتمام یہ اکتیسویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس تھی جو ہندوستان کے دار السلطنت دہلی کے قلب میں ۲-۳/ مارچ ۲۰۱۲ء بروز جمعہ، سنیچر رام لیلا گراؤنڈ میں منعقد ہوئی، اصحاب رسول کے موضوع پر منعقد ہونے والی یہ دوسری کانفرنس تھی، اسی میدان نے صحابۂ کرام کے بے مثال مقدس تذکرے عالم انسانیت کو دوبارسنائے، لیکن اس بار کی کانفرنس کی شان ہی اور تھی، کانفرنس کا موضوع تھا ''صحابۂ کرام اخلاق وکردار کے حقیقی معیار اور انسانیت کے سچے معمار''، اصحاب رسول کی بے مثال ایمانی وانسانی عظمت وتقدس، اہل بیان کے پروقار و پراحترام لب ولہجے واسلوب، اور سامعین کے سراپا ادب واحترام کی کیفیات نے اس عظیم شہر کے ماحول میں ایک ان دیکھا رنگ گھول دیا جس سے خاصۃ اہل سنت مسلمانوں کے لاکھوں لاکھ افراد میں ایمان کی باد بہاری چل پڑی۔

صحابہ کرام کے نام پر جماعت اہل حدیث کے دور دراز خطوں سے ہزارہا ہزار افراد جن میں عوام بھی تھے خواص بھی، مقامی جمعیتوں کے ذمہ داران اور باہوش معتمد ومشہور علماء وفضلاء کی ایک کثیر تعداد بھی تھی جو دل وجان اور زبان وقلم سے کانفرنس کی کارروائیوں میں شریک تھے، اہل حدیث تو اس کانفرنس کے داعی تھے، اس لیے ان کی شرکت تو یقینی تھی ہی، ان کے علاوہ اہل سنت مسلمانوں کی تمام تر تنظیموں، بڑے بڑے تعلیمی اداروں کی ذمہ دار شخصیات صحابہ کرام سے منسوب اس کانفرنس میں پروانہ وار شریک تھیں اور نہایت پر خلوص جوش وجذبات کے ساتھ اصحاب رسول سے اپنی اٹوٹ وابستگی کا اظہار فرمارہے تھے۔

درحقیقت اس سے پہلے کی کانفرنس اور اس کانفرنس میں صحابہ کرام سے متعلق تمام شخصیات کے روشن بیانات اور کلمات کو ہماری مرکزی جمعیت ریکارڈ کرے تو مستقبل کے لیے یہ ایک شاندار مرجع اور صحابہ کرام کے تعلق سے بہترین حوالہ کی کتاب بن جائے۔

اصحاب رسول سے متعلق اس بے نظیر کانفرنس کی ایک عظیم خصوصیت یہ تھی کہ اس میں بیت اللہ الحرام مکہ مکرمہ کے خالص سلفی امام زبردست عالم دین علامہ ڈاکٹر سعود بن ابرہیم الشریم حفظہ اللہ نے شرکت فرمائی اور کانفرنس کے پہلے دن جمعہ کا خطبہ دیا، دوسرے روز مغرب اور عشاء کی امامت فرمائی اور نماز مغرب کے بعد خطاب بھی فرمایا، امام عالی مقام کا خطبہ سننے، آپ کے پیچھے نماز ادا کرنے اور آپ کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے اہل سنت مسلمانوں کا اتنا زبردست اجتماع ہوا کہ رام لیلا

گراؤنڈ کا نہایت وسیع وعریض میدان اوراس کے اغل بغل کی سڑکیں شرکاء سے پر ہوگئیں، یہ اجتماع جمعہ میں بھی ہوا، اور دوسرے روز کی دونوں نمازوں میں بھی، ہمیں دلی مسرت ہے کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے اہتمام میں منعقد اس بے مثال کانفرنس نے تمام سنی مسلمانوں عوام اور خواص سب کوایک پلیٹ فارم پر جمع کردیا، اوراس اجتماع کا اصل سبب اصحاب رسول کی مقدس اور بے مثال پاکیزہ ہستیاں تھیں، امام عالی مقام، تمام علماء عظام اور سارے ہوش مند عوام کا یہ بے نظیر اجتماع انہیں اصحاب رسول کے بے داغ اسلامی اور انسانی کردار وعمل کی یاد میں ہوا، اللہ تعالی اس اجتماع عظیم ومقدس کوملت اسلامیہ ہندیہ کی اجتماعی زندگی کے لیے ایک نہایت خوشگوار اور مخلصانہ تبدیلی کا شاندار نقطۂ آغاز بنائے، اللھم آمین۔

اہل سنت مسلمانوں کواصحاب رسول کی اساس پر اتحاد کی لڑی میں منسلک کرنے کے لیے ملت کی سربرآوردہ شخصیات نے امام صاحب کو ہاتھوں ہاتھ لیا، شہر دلی کی عظیم الشان تاریخی جامع مسجد کے امام عالی مقام نے جمعہ کے روز مغرب کی امامت کی خاطر امام حرم کے لیے مصلی خالی کردیا، پوری جامع مسجد اس کی وسیع عریض سیڑھیاں، اس کے اردگرد کی سڑکیں دور دور تک امام حرم کی اقتداء میں فرزندان اسلام کے سجدوں سے سربلند ہورہی تھیں، کچھ ایسا ہی منظر جماعت اہل حدیث کے سربرآوردہ عالم دین علامہ عبدالحمید رحمانی حفظہ اللہ کی سرپرستی میں قائم عظیم الشان تعلیمی ادارہ معہد التعلیم الاسلامی میں نماز فجر کی امامت کے لیے امام حرم کی آمد پر بھی تھا، مرکز جماعت اسلامی میں بھی امام صاحب کی تشریف آوری ہوئی اور سنی مسلمانوں کے ممتاز ترین تعلیمی ادارہ دارالعلوم دیوبند کے ذمہ داران نے ہیلی کاپٹر کے ذریعہ امام حرم کو دارالعلوم میں لاکر میزبانی کے برکات حاصل کئے۔

غرض عام ملت اسلامیہ اور اہل سنت مسلمانوں کے تعلق سے یہ بے نظیر کانفرنس ایک مثالی کانفرنس ثابت ہوئی، جس کی برکات ان شاءاللہ پائدار ثابت ہوں گی۔

اس عظیم کانفرنس کے انعقاد سے ہماری مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا دائرۂ تعارف نہایت وسیع، عام اور جزرس ہوگیا، اوراسی کے ساتھ اس کی اور تمام جماعت اہل حدیث کی ذمہ داریاں بھی وسیع ہوگئیں۔

علماء جماعت کو خاصۃ اس کانفرنس کے مشاہدہ کے بعد یہ گر ہاتھ آیا ہوگا کہ لوگوں کو قریب کرکے ہی اپنی بات ان کے گوش گذار کی جاسکتی ہے نا کہ تنافر کی روش اختیار کرکے۔

عوام کو بعض باتیں سمجھنے میں دیر لگتی ہے، اس عظیم وبے نظیر کانفرنس کا مخلوط اجتماع بے مثال بھی انہیں کچھ دیر کے لیے تردد یا توحش میں مبتلا کرسکتا ہے، لیکن اصحاب دانش اور علماء کی پائدار اور مخلصانہ تفہیم سے یہ تردد زائل ہوسکتا ہے، دعوت اسلامی وسلفی کی راہوں میں ایسی منزلیں ضرور آتی ہیں، انہیں سمجھنا اوران کی معنویت سے استفادہ کرنا چاہئے، کوشش ہونی چاہئے کہ کوئی ہوش مند بہک نہ سکے اور بہکاوے میں نہ آسکے۔اللہ ہمارا حامی وناصر ہو۔

☆☆☆

مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی

(قسط:۲۱)

مولانا اسعد اعظمی/استاذ جامعہ سلفیہ

کتب خانہ

جملہ انتظامات کی طرح کتب خانہ بھی مثالی اور شاندار تھا، مولانا محمد صاحب جونا گڈھی لکھتے ہیں:

''عمارت کے بالائی حصہ میں ایک شاندار کتب خانہ کی عمارت ہے جس میں عربی اردو کی ہزاروں کتابیں موجود ہیں''۔(۱)

مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی کے بارے میں یہ بات گزر چکی ہے کہ دارالحدیث رحمانیہ کی تاسیس کے بعد اپنے یہاں کے اساتذہ، طلبہ اور کتب خانہ سمیت دارالحدیث رحمانیہ منتقل ہو گئے تھے۔(۲)

حاتم جماعت جناب حافظ حمید اللہ صاحب دہلوی (م ۱۳۷۰ھ = ۱۹۵۰ء) نے دارالحدیث رحمانیہ کے قیام کے بعد وہاں کی لائبریری کے لیے مخطوطات اور ایسی نادر و نایاب کتابیں دیں جن میں سے ایک ایک کتاب کی قیمت اس زمانہ میں ایک ہزار تھی، اس لائبریری کا مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک مرتبہ معائنہ کیا تو فرمایا: اگر یہ ذاتی لائبریری نہ ہوتی تو اپنی لائبریری کو بھی اسی میں ضم کر دیتا کیونکہ یہاں بڑی نادر و نایاب کتب ہیں۔(۳)

جناب فاروق اعظمی صاحب تقسیم ہند، مدرسہ کے بند ہونے اور اس کی لائبریری کا انجام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''...... یہ ایسا دلدوز حادثہ تھا جس پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے، مگر سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ لائبریری کی ہزاروں اردو، عربی اور فارسی کی نادر روزگار کتابوں کو کیوں کر بچایا جائے۔ آخر کار اس وقت جامعہ ملیہ کے شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین سے رابطہ قائم کرنے کے بعد ان تمام کتابوں کو وہاں منتقل کرنے کا فیصلہ کیا گیا، مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی املوی (مرحوم) اور مولانا حکیم عبید اللہ رحمانی رائے بریلوی نے دل و جگر تھام کر نمناک نگاہوں سے ان تمام کتابوں کو ٹرک میں لا دلا دکر جامعہ ملیہ پہنچایا، خدا کے فضل سے اسلاف کی موتی جیسی کتابیں اب بھی محفوظ ہیں ......''۔(۴)

مولانا آزاد رحمانی نے حضرت مولانا نذیر احمد املوی کے بارے میں لکھا ہے کہ: ''مشغلہ درس و تدریس کے علاوہ اس دوران (۲۰ رسالہ تدریسی مدت) میں آپ کے فرائض میں رحمانیہ کے عظیم و جلیل القدر کتب خانہ کی دیکھ ریکھ اور اس کی نگرانی

(۱) یادگار مجلہ اہل حدیث، ص:۳۰۱ بحوالہ اخبار محمدی، ۱۵ر جولائی ۱۹۳۸ء، ص:۱۰۔

(۲) ایضاً ص:۳۰۰، جماعت اہل حدیث کی تدریسی خدمات، ص:۲۶۔

(۳) ایضاً، ص:۲۵۶۔

(۴) ماہنامہ محدث بنارس، اکتوبر ۱۹۸۴ء، ص:۲۳۔

بھی تھی‘‘۔(۱)

مزید لکھا ہے کہ:’’مولانا (املوی) کے زمانے میں جہاں دارالحدیث رحمانیہ کے کتب خانہ میں بیش قیمت علمی نودرات اورجلیل القدر شہ پاروں کا اضافہ ہوتا رہا وہاں رسالہ محدث نے بھی بڑی ترقی کی ......‘‘۔(۲)

مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی اپنے طالب علمی کے زمانے کے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

’’اس دارالحدیث کی خصوصیات بہت ہیں......روحانی آرام اس طرح پر ہے کہ قابل اور لائق مدرسین اپنے اعلی اور عمدہ تقاریر سے طلبہ کو خوش رکھتے ہیں، کتابیں مدرسہ سے دی جاتی ہیں، اخبارات ورسائل روزانہ، ہفتہ واری دور دور سے آتے ہیں، مصری اخبارات ورسائل بھی برابر آتے ہیں‘‘۔(۳)

فواز عبدالعزیز لکھتے ہیں:

’’حضرت الشیخ (شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی علیہ الرحمۃ) کو متعدد بار فرماتے ہوئے سنا کہ:

’’دارالحدیث رحمانیہ کا کتب خانہ عظیم ذخیرہ پر مشتمل تھا، ہرسال مہتمم مدرسہ شیخ عطاء الرحمٰن، پھر ان کے فرزند شیخ عبدالوہاب کتابیں خرید کر مدرسہ کی لائبریری کو دیتے رہتے تھے، مطبوعہ کتابوں کے علاوہ مخطوطات خریدنے کا بھی اہتمام کرتے تھے‘‘۔(۴)

خود شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ والد محترم مولانا محمد صاحب اعظمی حفظہ اللہ کے ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں:

’’......علامہ شوکانی کا محولہ رسالہ ان کے دیگر فتاوی ورسائل کے مجموعہ میں مدرسہ رحمانیہ دہلی مرحوم کے مکتبہ میں موجود تھا، یہ مجموعہ قلمی تھا اور دو جلدوں میں تھا، پورا کتب خانہ جامعہ ملیہ اوکھلا چلا گیا تھا، پتہ نہیں محفوظ بھی ہے یا نہیں، مذکورہ رسالہ الگ سے طبع ہوا ہے یا نہیں اس کا بھی مجھے علم نہیں......‘‘۔ (مرقومہ بتاریخ ۶/۳/۱۹۷۱ء) (۵)

ایک استفتاء کے عربی جواب کے ضمن میں شیخ الحدیث علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

" ...... والعلامة الشوكاني في رسالته القديمة المسماة بالصوارم الحداد القاطعة لأعناق مقالات أرباب الإلحاد (هذه الرسالة ملحقة في مجموعة فتاواه الخطية المسماة بالفتح الرباني الموجودة في مكتبة المدرسة الرحمانية) .. (٦)

ایک سوال کے جواب میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

" وقال صاحب الجامع الأزهر من حديث النبي الأنور (كتاب نادر في جزأين كبيرين على

(۱) اہل حدیث اور سیاست، مقدمہ، ص:۱۶۔ (۲) ایضاً ص:۱۷۔
(۳) اخبار محمدی، دہلی: یکم ستمبر ۱۹۳۳ء، ص:۶۔ (۴) فتاوی شیخ الحدیث مبارکپوری: عرض مرتب: ۱/۲۶۔
(۵) نقوش شیخ رحمانی، ص:۶۳۔ (۶) فتاوی شیخ الحدیث مبارکپوری: ۱/۹۷۔

منوال الجامع الصغير للسيوطي، محفوظ في خزانة الكتب للمدرسة الرحمانيه بدهلي) (۱)

مدرسہ کے زائرین اپنے تاثرات میں مدرسہ کے کتب خانے کا بھی تذکرہ بسا اوقات کرتے تھے، چنانچہ مدینہ منورہ سے تشریف لانے والے وہاں کے قاضی القضاۃ نومبر ۱۹۳۳ء میں مدرسہ کی زیارت کے موقع پر اپنے تاثرات میں لکھتے ہیں:

" وبعد! نظرنا مكتبة المدرسة متفقدين خزائنها ناظرين في كتبها، والله لقد ألفيناها مكتبة مفيدة وحاوية كل ما يحتاجه الطالب ......"۔ (۲)

ہم نے مدرسہ کا کتب خانہ دیکھا، اس کے علمی خزائن اور کتابوں کا جائزہ لیا، واللہ ہم نے اس کو ایک مفید کتب خانہ پایا جو ایسی تمام کتابوں سے معمور ہے جن کی طلبہ کو ضرورت ہوتی ہے۔

کتب خانہ سے متعلق تمام اہتمامات وانتظامات کے ساتھ ہی اگر طلبہ کو کبھی ایسی کتابوں کی ضرورت آپڑتی جو مدرسہ میں نہیں ہیں تو ناظم مدرسہ بنفس نفیس طلبہ کو ساتھ لے کر دوسرے کتب خانوں میں جاتے اور کتابیں مستعار لاتے، چنانچہ مولانا عبدالغفار حسن رحمانی علیہ الرحمۃ رحمانیہ کے تعارف میں وہاں کی غیر درسی سرگرمیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے طلبہ کے مابین مناظرہ کی مشق کی تفصیل میں بیان کرتے ہیں:

''ایک مناظرہ ''کفارہ مسیح'' کے موضوع پر تھا، میں نے مسیحی موقف کا دفاع کرنا تھا، اس لیے ایک عیسائی (احمد مسیحی) ڈھونڈ نکالا اور اس سے چند دلائل نوٹ کیے، شیخ عطاء الرحمٰن دریا گنج کی ایک لائبریری میں لے گئے جہاں سے بائبل کی دو عربی جلدیں مستعار لیں..''۔(۳)

مولانا پروفیسر عبدالعزیز میمن (استاذ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) بھی مدرسہ کی زیارت کے لیے تشریف لایا کرتے تھے، اور مدرسہ اور اس کی لائبریری سے متعلق مفید مشورے دیتے تھے، چنانچہ مولانا محمد صاحب جوناگڈھی ۱۹۳۸ء کے تعلیمی سال کے اختتامی اجلاس کی روداد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس جلسہ میں اب کی مرتبہ بحمد اللہ مولانا عبدالعزیز صاحب میمن پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بھی تشریف لائے تھے، جس سے حجم بڑھ بھی گیا اور بارونق بھی ہوگیا، آپ نے عربی زبان میں نہایت فصیح وبلیغ ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں ترغیب دی کہ ایک لائبریری نہایت اعلی پیمانے پر قائم کرنی چاہیے اور عربی کی وہ کتابیں جنہیں میں ممالک اسلامیہ کی سیاحت میں دیکھ کر آیا ہوں اور جن کا صرف ایک ایک نسخہ روئے زمین پر ہے اور جو قدیم ترین کتابیں ہیں جو ہرن کی کھالوں پر اور اسی قسم کی چیزوں پر لکھی ہوئی ہیں جمع کر کے اس میں رکھی جائیں، ساتھ ہی حدیث کی اور نایاب کتابیں یہاں جمع کی جائیں اور جماعت اہل حدیث خدمت اہل حدیث کے اسی اچھوتے حصے کی طرف اپنا رخ کرے..''۔(۴)

---

(۱)۱/۴۳۹ (فتاوی) (۲) مولانا عبدالغفار حسن: حیات وخدمات، ص:۱۰۰۔

(۳) ایضا ص:۷۵۔ (۴) اخبار محمدی، دہلی: ۱۵/اکتوبر ۱۹۳۸ء، ص:۱۴-۱۵۔

رسالہ محدث

دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے ایک ماہانہ رسالہ بنام ''محدث'' بھی شائع ہوتا تھا، جس میں ادارہ کے اساتذہ وطلبہ کے علاوہ دیگر علماء واہل قلم کی تحریریں شائع ہوتی تھیں، اس رسالہ کا اجراء ۱۹۳۳ء میں ہوا اور ۱۹۴۷ء میں مدرسہ کے بند ہونے تک جاری رہا، صرف محصول ڈاک بھیجنے پر یہ رسالہ قارئین کو جاری کردیا جاتا تھا، رسالہ مفت ہوتا، ابتدا میں ڈاک خرچ مبلغ چار آنے سالانہ تھا جو آخر میں بڑھتے بڑھتے ایک روپیہ تک جا پہنچا، رسالہ کے اول ایڈیٹر مولانا عبدالحلیم صاحب ناظم رحمانی تھے، بعدہ مولانا نذیر احمد رحمانی اور حضرت شیخ الحدیث مبارکپوری اس کے مدیر ومنتظم رہے۔

رسالہ کے اجرا کا پس منظر مولانا عبدالحلیم ناظم رحمانی کے سوانح نگار کے الفاظ میں یہ ہے:

''مولانا عبدالحلیم ناظم رحمانی ۱۹۳۲ء میں رحمانیہ میں مدرس ہوئے، مولانا مرحوم نے جب پہلا تدریسی سال بحسن وخوبی انجام دیا اور دوسرے رسال رمضان المبارک کی تعطیل گزارنے کے بعد رحمانیہ پہنچے تو ایک رسالہ جاری کرنے کا خیال ظاہر کیا، شیخ الجامعہ نے بہت زیادہ پسندیدگی کا اظہار فرمایا، اور ہر طرح سے تعاون کا وعدہ کیا، چنانچہ ۱۹۳۳ء میں رسالہ ''محدث'' شائع ہوا جس کے ایڈیٹر مولانا مرحوم ہی بنائے گئے، اس رسالہ کے اجراء کا مقصد کیا تھا عاقل صاحب (مولانا عبیدالرحمٰن عاقل رحمانی) رقمطراز ہیں:

''یہ رسالہ محض خلق خدا کے نفع کے لیے جاری کیا گیا تھا، اور خریداروں سے صرف ٹکٹ کے چار آنے پیسے لیے جاتے تھے، گویا اس رسالہ کی سالانہ قیمت یا چندہ تعاون چار آنہ تھی، مرحوم نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ ایڈیٹری کی اور تھوڑے ہی دنوں میں بام عروج پر پہنچا دیا یہاں تک کہ سال ختم ہوتے ہوتے تقریباً تین ہزار خریدار ہو چکے تھے''۔(۱)

اس رسالہ کے مارچ ۱۹۴۷ء کے آخری صفحہ پر یہ اعلان ہے کہ:

''...... جو صاحب اپریل ۱۹۴۶ء سے اس کے خریدار بنے ہیں ان کا سالانہ چندہ اسی نمبر پر ختم ہوجاتا ہے، اگر وہ چاہتے ہیں کہ محدث برابر ان کے پاس پہنچتا رہے تو وہ فوراً ایک روپیہ بذریعہ منی آرڈر منیجر کے نام بھیج دیں......''۔(۲)

مولانا ابویحییٰ خاں نوشہروی، ''ہندوستان میں جماعت اہل حدیث کی علمی خدمات'' میں ''جماعت اہل حدیث کے ''اخبار'' کے تعارف کے ضمن میں رسالہ محدث کے بارے میں لکھتے ہیں:

نام اخبار: محدث زبان: اردو وقت اشاعت: ماہانہ

مقام اشاعت: دہلی ادارہ اخبار: مولوی عبیداللہ مبارکپوری ومولوی نذیر احمد املوی

کیفیت: دارالحدیث رحمانیہ کا صحیفہ، جو مہتمم مدرسہ جناب شیخ عطاء الرحمٰن صاحب کی "عطاء غير مجذوذ" کا

(۱) ماہنامہ محدث، بنارس: جولائی ۱۹۹۳ء، ص: ۱۵ مضمون اشرف فردوسی بعنوان: ''مولانا عبدالحلیم ناظم رحمانی: حیات وکارنامے''۔

(۲) رسالہ محدث، دہلی، مارچ ۱۹۴۷ء، آخری صفحہ۔

ثبوت ہے،صرف محصول ڈاک ۴ر آنے پر ہزاروں کی اشاعت..''۔(۱)

مولانا ادریس آزاد رحمانی رحمہ اللہ نے ''اہل حدیث اور سیاست'' کے مقدمہ میں مولانا نذیر احمد املوی رحمہ اللہ کے حالات میں لکھا ہے کہ:

''......مشغلہ درس وتدریس کے علاوہ اس دوران میں آپ کے فرائض میں رحمانیہ کے عظیم وجلیل القدر کتب خانہ کی دیکھ ریکھ اور اس کی نگرانی بھی تھی،علاوہ ازیں دارالحدیث کا مشہور ماہنامہ ''محدث'' بھی اس کے ایڈیٹر مولانا عبدالحلیم ناظم صدیقی کے انتقال (۲) کے بعد آپ کی ادارت میں آگیا،اس وقت سے اخیر تک آپ برابر اس کے مدیر کی حیثیت سے کام کرتے رہے،آپ کی ادارت کے زمانہ میں اس میں دوسرے اہل قلم کے بیش قیمت مضامین کے علاوہ آپ کے اثر انگیز اور دلگداز اداریے اور مختلف مسائل پر محققانہ مضامین نے محدث کی قدر وقیمت کو بہت بڑھا دیا۔آپ کی ادارت کے زمانے میں محدث کے اندر فتاوی کے باب کا اضافہ ہوا،استفسارات کے جواب میں حضرت مولانا عبیداللہ صاحب رحمانی مدظلہ العالی کی جامع اور پراز تحقیق نگارش نے اس رسالہ کی افادیت کو اس قدر وسیع کر دیا کہ ایک موقع سے مولانا ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی مرحوم جیسے صاحب علم اور اہل قلم کو فرماتے ہوئے میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ:

''میں جب تک محدث کے استفسارات اور ان کے جوابات پڑھ نہیں لیتا مجھے نیند نہیں آتی''۔

مولانا کے زمانہ میں جہاں دارالحدیث رحمانیہ کے کتب خانہ میں بیش قیمت علمی نوادرات اور جلیل القدر شہ پاروں کا اضافہ ہوتا رہا وہاں رسالہ محدث نے بھی بڑی ترقی کی ،مولانا کی مشہور تصنیف ''ردعقائد بدعیہ'' کی تخلیق وتسوید محدث کے دوران ادارت ہی میں عمل میں آئی تھی ،بعد میں مزید اضافے کے ساتھ آپ نے اسے کتابی شکل دے دی''۔(۳)

رسالہ کے خریداروں کو مدرسہ سے شائع ہونے والی دیگر مطبوعات بھی مفت بھیجی جاتی تھیں ،ملاحظہ ہو درج ذیل خبر:

''اربعین رحمانی مفت:

جناب میاں صاحب شیخ عطاء الرحمٰن صاحب مہتمم مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی نے چالیس حدیثوں کے مجموعے کی ایک کتاب عربی مع اردو ترجمہ چھپوائی ہے،جن حدیثوں کو مع ترجمہ یاد کر کے جو صاحب مدرسہ مذکورہ بالا کے سالانہ جلسہ امتحان کے موقع پر سنا دیں ان کے لیے میاں صاحب موصوف کی طرف سے انعام کا بھی وعدہ ہے،صرف تین پیسے کے ٹکٹ محصول ڈاک کے لیے بھیج کر اس پتے سے مفت منگوا لیجئے: مہتمم صاحب مدرسہ رحمانیہ، باڑہ ہندوراو، دہلی۔

---

(۱)ہندوستان میں جماعت اہل حدیث کی علمی خدمات،ص:۱۱۰۔

(۲)''آپ کا انتقال ۲۲ر اگست ۱۹۳۵ء کو ہوا ہے،یعنی دو سال دو مہینے کے بعد محدث کی ساری ذمہ داری مولانا املوی مرحوم پر آگئی،یوں ناظم مرحوم کی علالت کے دوران بھی آپ ہی ادارت کے فرائض انجام دے رہے تھے''۔ (حاشیہ مقدمہ اہل حدیث اور سیاست،ص:۱۶)

(۳)مقدمہ اہل حدیث اور سیاست،ص:۱۶-۱۷۔

رسالہ محدث کے خریداروں کو درخواست کرنے یا ٹکٹ بھیجنے کی ضرورت نہیں، رسالہ کے ساتھ ہی انہیں بلاطلب پہنچ جائے گی"۔(۱)

محدث کے ۴۶ و ۴۷ء کے چند شمارے نظر سے گزرے، ان شماروں میں جن قلم کاروں کی تحریریں شائع ہوئی ہیں ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

۱-مولانا نذیر احمد رحمانی

۲-شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی

۳-مولانا قمر الدین اصلاحی، استاذ جامعہ الٰہیات کانپور

۴-مولانا عبدالرؤف رحمانی

۵-مجاز اعظمی (متعلم)

۶-مولانا ہدایت اللہ صاحب ندوی فریدکوٹی

۷-شیخ فتح محمد صاحب بھاگووال ضلع گورداس پور

۸-مولوی محمد امراللہ خاں صاحب عارف سراجی

۹-مولوی محمد خلیل صاحب ایمن بستوی (نظم برمحدث)

جس طرح دارالحدیث رحمانیہ کی خدمات کو اہل نظر نے سراہا اور اس کے فضل وکمال کا اعتراف کیا ہے اسی طرح اس کے رسالہ محدث کے سلسلے میں بھی اپنے منثور ومنظوم تاثرات پیش کیے ہیں، ملاحظہ ہو اسی سلسلے کی بعض نظمیں:

پیغام محدث کا

ایمان کی مے سے ہے، پر جام محدث کا — پیغام حقیقی ہے، پیغام محدث کا
ہر لفظ میں اس کی ہے ایماں کی ضیا کاری — اک اشک ندامت ہے انعام محدث کا
اسلام کی خاطر ہے، ہے دین سے وابستہ — ہر صبح محدث کا ، انجام محدث کا
ایماں بھرے لوگوں میں، بس تذکرہ رہتا ہے — ہر صبح کا ، ہر شام محدث کا

بہزاد محدث کا انداز نرالا ہے
کیوں کر نہ سنے دنیا پیغام محدث کا

(جناب بہزاد) (۲)

(۱) اخبار محمدی، دہلی: ۱۵/ اکتوبر ۱۹۳۴ء، ص: ۲۔

(۲) یادگار مجلہ اہل حدیث (بموقع پاکوڑ کانفرنس) ص: ۳۰۳۔

مدرسہ کے متعلم مولانا عبدالحکیم مجاز اعظمی نے ''محدث کا سال جدید'' کے عنوان سے ایک نظم لکھی ہے، جو درج ذیل ہے:

ایکہ، ترے کرم سے ہے دعوئ پند واعتبار — ترے چمن میں آگئی سال جدید کی بہار
ہاں سچ، ترا یہ دور ہے لطف گہ بلند وپست — جھوم رہی ہے خسروی بے مائگی پڑی ہے مست
نقارۂ سبیل ہیں تیرے صحن کے کاخ وکو — ساغر علم دین لیے ساقی خوش نوا ہے تو
جب سے مجھے عطا کیا تو نے شراب آتشیں — خمکدۂ جہاں کی لو ہو نہ سکی دلنشیں
دربار مصطفیٰ کا اک پروردۂ ادب ہے تو — بادہ ترا کلام رب، قول رسول ہے سبو
مٹ گئے سب توہمات لٹ گیا رخت ساحری — تیرے کلیم وقت نے توڑے طلسم سامری
قلزمِ پُر ظلام میں گم گشتۂ شعور تھا — ہند کا مسلماں بہت داور حق سے دور تھا
پھوٹی جو تجھ سے یک بیک فانوس حق کی اک کرن — چھوڑ کے خاکبازیاں ہوگیا دیں پہ گامزن
فیض کو تیرے کیا کہوں خوب ہے دیں پروری — سایہ فگن رہے مدام دورۂ چرخ چیمبری

سچ پوچھ مجھ سے گر مجازؔ کہہ دوں میں صاف بالیقیں
بدعت دیں بھٹک سکے جس جا یہ وہ جگہ نہیں (۱)

مولانا محمد خلیل صاحب ایمن بستوی نے بھی ایک طویل نظم لکھی ہے جس کے آخر کے چند اشعار اس طرح ہیں:

تری ہر سانس کی گرمی سے باطل یوں پگھلتا ہے — ختم ہو دیکھ کر دجال جیسے ابن مریم کو
ترے روشن ادلہ کی مخالف تاب کیا لائے — بھلا کیا تاب ضوء شمس کی قطرات شبنم کو
ترے اوراق ہیں رنگیں ز لون سنت وقرآن — ترا ہر جام شرمندہ کن پیمانۂ جم کو
مبارکباد کیا ہم دیں تجھے اس شان وعزت پر — نہیں حاصل بایں مقدار یارائے سخن ہم کو

تری تعریف میں ایمنؔ نہ کیوں رطب اللساں ہوتا
رہ حق وصداقت جب تو دکھلاتا ہے عالم کو (۲)

(جاری)

☆☆☆

(۱) رسالہ محدث دہلی: مئی ۱۹۴۷ء، ص: ۲۴۔
(۲) ایضا: اپریل ۱۹۴۷ء، ص: ۲۴۔

یہ جو ڈر ہے............!

عبدالسمیع محمد ہارون انصاری سلفی
بھوارہ، مدھوبنی، بہار

خوف اور ڈر کا انسانی زندگی کے ساتھ بلکہ اس کی تعمیر و ترقی اور ہمہ جہت خیر و فلاح کے ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے، غور کریں ہر وہ انسان جو زیر حرکت وعمل اور جد و جہد ہے، کہیں نہ کہیں بنیادی طور پر اس میں خوف و ڈر عامل ہے کہ مبادا اگر وہ یوں اور اس طرح حرکت وعمل نہیں کرے گا تو اس کا لیلائے مقصود اور مطمح نظر اسے حاصل نہیں ہوگا، ایک طالب علم شب و روز محنت و مشقت صرف اس لیے کرتا ہے کہ کاہلی اور تن آسانی و غفلت کے سبب وہ اپنے تعلیمی مشن کے حصول میں ناکام ہو جائے گا، اور ناکامی کا خوف اسی حرکت وعمل اور جد و جہد کے ڈور سے باندھے رہتا ہے، علی ھذا القیاس، سیاست داں اپنی سیاست میں، تجارت پیشہ اپنی تجارت میں، زراعت پیشہ اپنی زراعت میں، عورتیں اپنے گھریلو کام کاج میں اور ملازمت پیشہ اپنی ملازمت میں وغیرہ ہر کوئی جو حرکت وعمل میں دکھتا ہے اور مصروف جد و جہد نظر آتا ہے اس کے پیچھے کہیں نہ کہیں یہ ڈر کارفرما ہوتا ہے کہ حرکت وعمل سے بیزاری کے سبب اسے خساروں سے لازما دوچار ہونا ہوگا، حتی کہ آدمی کا وقت پر سونا، وقت پر جاگنا، وقت پر کھانا پینا وغیرہ بھی کہیں نہ کہیں اس کے پیچھے بھی ڈر کارفرما ہوتا ہے کہ وقت پر نہ کھانے پینے، وقت پر نہ سونے اور جاگنے پر لازما اسے صحت و عافیت کے تعلق سے خسارہ انگیز کرنا پڑ سکتا ہے، یوں زندگی میں خوف اور ڈر کا بڑا عمل دخل ہے اور اس عاری انسان جہاں خساروں سے دوچار ہوتا ہے، مثبت خوف اور ڈر کی زندگی جینے والا انسان اپنی زندگی کی اصلاح اور تعمیر و ترقی کی راہ میں کامیاب و کامران ہوتا ہے۔

مگر ایک مسلمان کی زندگی میں ایک اور خوف و ڈر ہے جس کے بہتر، مفید اور وسیع و قیع بڑے دوررس اثرات ہیں اور وہ اللہ کا ڈر اور وہ بھی اللہ کا ڈر تنہائی میں، اللہ کا خوف خلوت میں، اللہ کی پکڑ کی ہیبت رات کی تنہائی میں، اس کے عقاب و سزا کی دہشت اس وقت جب انسان گناہ پر آمادہ ہو، اس راہ میں کوئی چیز مانع بھی نہ ہو، کوئی دنیا والا نہ دیکھ سکے نہ جان سکے، ایسے وقت میں جبکہ انسان گناہ کے ارتکاب پر بہ آسانی آمادۂ عمل ہو سکے، ایسے وقت میں اللہ شدید العقاب، ذی القوۃ المتین کی سزا و غضب کے خوف سے جب بندۂ مومن گناہ سے باز آجاتا ہے تو یہ خوف اس کی اخروی اور ابدی فلاح کی کامرانی ہی کی ضمانت نہیں دیتا ہے بلکہ یہ خوف جب اور جس کسی میں جس قدر ہوگا اس کی زندگی میں اسی قدر انقلاب ہوگا، وہ عوام الناس کے لیے نمونہ ہوگا، سب کا محبوب ہوگا، حقیقت و صداقت یہ ہے کہ اللہ کا خوف حقیقت میں کتاب و سنت کی صراحت کے مطابق بڑی دوررس اہمیت و معنویت کا حامل ہے اور یہ کم و بیش ہر مسلمان میں تھوڑا بہت موجود ہے، مثلا جمعہ کا دن ہے، مسلم سماج ہے، ہر بڑا چھوٹا جمعہ کے لیے مسجد ضرور آتا ہے، ہر چند کہ ہفتہ بھر نماز نہ پڑھے مگر جمعہ کی نماز ضرور پڑھتا ہے کہ اسے یقین کی حد تک اس نماز کے ترک کرنے پر اللہ کی گرفت اور سزا کا خوف ہوتا ہے، یہی حال رمضان اور اس کے روزے کے اعمال و افعال اور اس طرح کے دوسرے امور میں بھی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے، بہت سارے گناہ ایسے بھی ہیں جن سے مسلمان اس لیے بھی بچتا ہے کہ وہ عوام الناس کی نگاہوں میں ہوتے ہیں اور اس میں کہیں نہ کہیں لوگوں میں بدنامی کے خوف کے ساتھ ساتھ اللہ کے ڈر سے بھی سہم کر اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ بحیثیت انسان ہم میں بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو بلاشبہ بہت سارے گناہ لوگوں میں بدنامی کے ساتھ ساتھ اللہ کے خوف کے سبب کرنے سے باز آجاتے ہیں، لیکن خلوت و تنہائی اور وہ مواقع و ذرائع جو عوام الناس کے علم و نظر سے مخفی ہیں ان لمحوں میں اللہ کے ڈر سے گناہوں سے بچ جانا دراصل یہی اصل خشیت الٰہی اور تقوی ہے جس کو اسلام نے عظیم

مقام عطا کیا ہے، چند آیات واحادیث اس تعلق سے ملاحظہ فرمائیں:

سورہ ملک میں اللہ نے فرمایا: ''بے شک جو لوگ اپنے رب سے خلوت میں ڈرتے ہیں ان کے لیے مغفرت اور اجر کریم ہے''، سورہ یسین میں فرمایا: ''(اے محمد!) آپ انہیں ڈرا سکتے ہیں جس نے قرآن کی پیروی کی اور رحمان سے تنہائی میں ڈرتا ہے تو آپ ان کو مغفرت اور اجر کریم کی خوشخبری سنا دیں''، اسی طرح سورہ ق میں ارشاد ہوتا ہے: ''اور جنت پرہیز گاروں کے لیے بالکل قریب کر دی جائے گی، ذرا بھی دور نہ ہوگی، یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، ہر اس شخص کے لیے جو رجوع کرنے والا اور پابندی کرنے والا ہو، جو رحمان کا غائبانہ خوف رکھتا ہو اور توجہ والا دل لایا ہو، تم اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ، یہ ہمیشہ رہنے کا دن ہے، یہ وہاں جو چاہیں انہی کا ہے (بلکہ) ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے''۔ ان چند آیات کے علاوہ ایک حدیث بھی ملاحظہ فرمالیں، مشہور اور صحیح حدیث ہے نبی ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن سات ایسے خوش نصیب بندے ہوں گے جنہیں اللہ تعالی اپنے عرش کے سایے میں جگہ عطا فرمائے گا۔ (یوں وہ ایک طرف قیامت کی تصور سے کہیں زیادہ ہولناکی و ہیبت اور مصائب و آلام سے محفوظ ہو کر امن وسکون میں آجائے گا اور دوسری طرف یہ ان کے لیے اشارہ بھی ہوگا کہ آج روز محشر میں وہ اللہ کے فضل وکرم اور جنت ابدی کے مستحق ہوں گے)۔ ان سات خوش نصیب بندوں میں سے ایک وہ ہوگا جس کو کسی خوبصورت اور منصب وجمال والی خاتون تنہائی اور رات کے سناٹے میں بدکاری کے لیے بلائے (اور اس کے سارے مواقع اور سہولیات بھی موجود ہوں، دنیا والوں کے علم ونظر سے مخفی بھی ہو کہ ان میں بدنامی کا خوف ہو) مگر وہ صرف اس لیے اس گناہ سے، اتنی قربت کے باوجود، باز آجائے کہ اسے قیامت کے دن اللہ کی گرفت اور سزا کا خوف دامن گیر ہو جائے اور اس اللہ کے ڈر سے وہ اس گناہ سے باز آجائے۔ اسی پس منظر میں وہ مشہور حدیث بھی سامنے رکھیں، جو جامع ترمذی میں اللہ کے ایک بندے کفل کے تعلق سے ہے، جس کے پاس ایک غریب بے سہارا اور ضرورت مند حسین وجمیل لڑکی مالی مدد کے لیے آئی، جو مدد اس نے صرف اس شرط پر دی کہ وہ آج کے بعد فلاں گھڑی اس کے ساتھ جنسی خواہشات کی تکمیل کرے گا، مصیبت کی ماری اس خاتون نے اس وقت حامی تو بھر لی اور مدد حاصل کر چلی گئی، وقت مقررہ پر جب کفل اس خاتون کے پاس بدکاری کے لیے آیا تو اس متقی خاتون نے اسے اللہ کی سزا کا خوف دلایا، تنہائی کا عالم تھا، وہ عام لوگوں کے علم ونظر سے دور تھے، مگر اللہ کے خوف دلانے سے وہ قیامت کے دن کی سزائے الہی سے بیحد لرزہ براندام ہو گیا اور گناہ پر ساری قدرت وسہولت کے باوجود اس سے باز آگیا، حدیث میں آتا ہے کہ اسی رات اس کی موت ہوگئی اور وہ اللہ کے یہاں مغفور اور اس کا محبوب بن گیا، گناہ سے بچ جانا عام حالات میں کمال نہیں ہے بلکہ گناہ پر تمام تر قدرت وسہولت پانے کے باوجود بچ جانا اور محض اللہ کے خوف سے رک جانا یہ کمال درجہ کا تقوی ہے جس کے لیے اللہ نے مغفرت وبشارت کا وعدہ کیا ہے۔

اور چلتے چلتے یہ حدیث بھی ملاحظہ کرلیں اور ہم میں سے ہر کوئی اس حدیث کی روشنی میں اپنی زندگی کا جائزہ لے، یہ حدیث دراصل ہم میں سے ہر کسی کے لیے کس قدر خلوت میں اللہ کے خوف سے لبریز کر دینے کے لیے کافی ہے، حضرت ثوبان ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں یقیناً اپنی امت کے ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جو قیامت کے روز ایسی نیکیاں لے کر آئیں گے جو تہامہ کے پہاڑوں کی مانند روشن ہوں گی لیکن اللہ ان کی نیکیوں کو ہوا میں اڑتے ہوئے چھوٹے چھوٹے ذرات کی مانند اڑا دے گا، ثوبان ؓ نے کہا یا رسول اللہ! آپ ان کے بارے میں واضح کر دیں اور کھول کر بیان کر دیں تا کہ ہم لوگ لاعلمی میں ایسے لوگوں میں شامل نہ ہو جائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: خبردار! وہ تمہارے بھائی اور تمہاری قوم سے ہی ہوں گے اور وہ رات کو اسی طرح قیام کریں گے جیسا تم کرتے ہو لیکن وہ ایسے لوگ ہوں گے جب خلوت میں انہیں اللہ کی حرام کردہ چیزیں ملیں گی تو وہ ان سے اپنا دامن نہیں بچا سکیں گے''۔ (ابن ماجہ: ۴۲۴۵، وصححہ الالبانی بحوالہ زاد الخطیب ج۲ ص ۱۲۳) ☆☆☆

آپ ﷺ کی شفقت ورحمت

محمد اسلم مبارکپوری

آپ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ شفیق اور رحم دل تھے، اس عظیم صفت کو قرآن مجید نے بایں الفاظ بیان کیا ہے، ارشاد ہے:

﴿فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك﴾ (آل عمران:۱۵۹)

ترجمہ: اللہ تعالی کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے۔ (ترجمہ مولانا جوناگڈھی)

اسی اخلاق کریمانہ اور صفات فاضلانہ کا نتیجہ ہے کہ لوگ آپ کی دعوت کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے مشرف بہ اسلام ہو رہے ہیں، کیونکہ اگر آپ بدخو، بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو آپ دین الہی کی ترویج واشاعت احسن طریقے سے انجام نہ دے پاتے، لیکن اللہ تعالی نے آپ کو نرم خو، شیریں زبان، خوش مزاج اور رحم دل بنایا ہے۔

امام بخاری اور دوسرے محدثین نے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تورات میں وہی صفات بیان ہوئی ہیں جو قرآن میں موجود ہیں، آپ سخت زبان، سخت دل اور بازاروں میں شور کرنے والے نہ ہوں گے، اور برائی کا جواب برائی سے نہ دیں گے، بلکہ عفو ودرگذر سے کام لیں گے۔ (۱)

درج ذیل صفحات میں ہم آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے چند درخشاں پہلو کو بیان کررہے ہیں، جو امت کے ساتھ آپ کی شفقت ومودت، رحمت ورأفت کی دلیل ہے۔

۱- چچا ابوطالب کے ساتھ آپ کی کمال محبت:

آپ ﷺ کے چچا ابوطالب آپ کی دعوت کے زبردست حامی وناصر تھے، وہ درحقیقت مکہ کے صنادید اور احمقوں کے حملوں سے اسلامی دعوت کے بچاؤ کے لیے ایک قلعہ تھے، لیکن وہ خود ایمان نہ لائے اور اپنے بزرگ آباء واجداد کی ملت پر قائم رہے، چنانچہ سعید بن المسیب نے اپنے والد مسیّب بن حزن المخزومی سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا: جب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب ہوا تو نبی ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے، وہاں ابوجہل اور عبداللہ بن ابوامیہ بن مغیرہ پہلے سے موجود تھے، آپ ﷺ نے فرمایا:

يا عم، قل لا إله الا الله۔

اے چچا! لا الہ الا اللہ کہہ دیجئے۔

(۱) بخاری: ۲۵۵۹، ونحوہ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا، الترمذی (۲۰۱۶) واحمد (۶/ ۲۳۶، ۲۴۶) وسندہ صحیح۔

بس ایک کلمہ جس کے ذریعہ میں اللہ کے پاس آپ کے لیے حجت پیش کرسکوں گا۔ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے کہا: ابوطالب! کیا عبدالمطلب کی ملت سے رخ پھیر لوگے؟ رسول اللہ ﷺ بار بار ان کے سامنے اپنی دعوت توحید پیش کرتے رہے، یہاں تک کہ آخری بات جو ابوطالب نے کہی یہ تھی کہ: میں عبدالمطلب کی ملت پر ہوں، اور لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کردیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: میں جب تک آپ سے نہ روک دیا جاؤں آپ کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا، اسی پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين، ولو كانوا أولي قربى من بعد ما تبين لهم أنهم أصحاب الجحيم﴾ (التوبہ:۱۱۳)

نبی ﷺ اور اہل ایمان کے لیے درست نہیں کہ مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کریں، اگرچہ وہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں، جبکہ ان پر واضح ہو چکا ہے کہ وہ لوگ جہنمی ہیں۔

اور ابوطالب کے معاملہ میں آپ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿إنك لا تهدي من أحببت ولكن الله يهدي من يشاء وهو أعلم بالمهتدين﴾ (القصص:۵۶)

آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور وہ ہدایت قبول کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔(۱)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے موت کے وقت اپنے چچا سے فرمایا: چچا! لا الہ الا اللہ کہہ دیجئے میں آپ کے لیے اس کلمہ کے کہنے کی وجہ سے بروز قیامت شفاعت کروں گا، لیکن انہوں نے انکار کیا تو اس پر اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿إنك لا تهدي من أحببت ولكن الله يهدي من يشاء﴾ (۲)

عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا:

ما أغنيت عن عمك ؟

تو نے اپنے چچا (ابوطالب) کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچایا، حالانکہ وہ تمہارے حامی ومددگار تھے، اور اپنی حفاظت میں رکھتے تھے، اور تمہارے لیے دشمنی مول لیتے تھے، آپ نے فرمایا:

إنه في ضحضاح من النار.

وہ جہنم کی ایک اوتھلی جگہ میں ہوں گے۔

(۱) بخاری: ۱۲۹۴، ۳۸۸۴، مسلم ۲۴، نیز دیکھیں: صحیح السیرۃ النبویہ ص ۱۱۹۔
(۲) مسلم: ۲۵۔

اور اگر میں نہ ہوتا وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوتے۔(۱)

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک بار نبی ﷺ کے پاس آپ کے چچا ابو طالب کا تذکرہ ہوا، تو آپ نے فرمایا:

لعله تنفعه شفاعتي يوم القيامة، فجعل في ضحضاح من النار، يبلغ كعبيه، يغلي منه دماغه.

ممکن ہے کہ قیامت کے دن انہیں میری شفاعت فائدہ پہنچادے، اور انہیں جہنم کی ایک اوتھلی جگہ میں رکھ دیا جائے جو صرف ان کے ٹخنوں تک پہنچ سکے گا (مگر شدت عذاب سے) ان کا دماغ جوش مار رہا ہوگا۔(۲)

۲-زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر ابوالعاص بن الربیع کے ساتھ شفقت نبوی کا مظاہرہ:

ابوالعاص بن الربیع نبی ﷺ کے داماد، اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے، ان کی شادی زینب رضی اللہ عنہا سے بعثت سے قبل ہوئی تھی، ابوالعاص اپنے آبائی دین پر قائم تھے، جبکہ زینب رضی اللہ عنہا مشرف بہ اسلام ہوچکی تھیں، اور ابوالعاص کے ساتھ مکہ میں رہتی تھیں، جب ۲ہجری میں اسلام کا پہلا فیصلہ کن معرکہ بدر پیش آیا تو ابوالعاص بن الربیع مشرکین مکہ کے ساتھ مبارزت کے لیے نکلے، اور قید کرلیے گئے، جب ان کے قید ہونے کی اطلاع زینب رضی اللہ عنہا کو ملی تو انہوں نے اپنے شوہر کو آزاد کرانے کے لیے فدیہ میں کچھ مال بھیجا، جس میں ایک ہار بھی تھا، یہ ہار درحقیقت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تھا، اور جب انہوں نے زینب رضی اللہ عنہا کو ابوالعاص کے پاس رخصت کیا تھا تو یہ ہار انہیں دے دیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھا تو آپ پر رقت طاری ہوگئی، اور آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے اجازت چاہی کہ ابوالعاص کو چھوڑ دیں، صحابہ نے اسے بسروچشم قبول کرلیا، رسول اللہ ﷺ نے ابوالعاص کو اس شرط پر چھوڑ دیا کہ وہ زینب رضی اللہ عنہا کی راہ نہ روکیں، چنانچہ ابوالعاص نے ان کا راستہ چھوڑ دیا، اور زینب رضی اللہ عنہا نے ہجرت فرمائی۔(۳)

اس واقعہ میں نبی کریم ﷺ کی شفقت ورحمت، مودت ورأفت اپنی بیٹی زینب، اور داماد ابوالعاص بن الربیع کے لیے کتنی واضح طور پر جھلک رہی ہے، آپ ﷺ ان دونوں سے کتنی محبت اور تڑپ رکھتے تھے، حالانکہ اس وقت آپ کے داماد ابوالعاص کفر

---

(۱) بخاری: ۳۸۸۳،۳۶۷۰، مسلم: ۲۰۹۔ (۲) بخاری: ۳۸۸۵، مسلم: ۲۱۰۔

(۳) ابوداود (۲۶۹۲) حسنہ الالبانی، نیز دیکھئے: الاصابہ لابن حجر (۱۵۹/۴)

ابوداود اور مسند احمد (۲۷۶/۱) کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہ اور انصار میں سے ایک شخص کو بھیجا، اور فرمایا: "كونا ببطن يأجج حتى تمر بكما زينب، فتصحباها حتى تأتيا بها" تم دونوں بطن یاجج میں رہنا یہاں تک کہ زینب تم دونوں کے پاس سے گذریں تو ان کو ساتھ لے کر آنا۔

شاید نامحرم کے ساتھ سفر کرنے کی ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہے، زینب کے مدینہ آجانے کے بعد ابوالعاص کفر کی حالت میں مقیم رہے، پھر مکہ سے شام تجارت کے لیے گئے، وہاں سے لوٹتے وقت انہیں اسلام پیش کیا گیا تو وہ مکہ واپس گئے، جس جس کا مال تھا انہیں واپس کیا اور سب کے سامنے کلمۂ شہادت پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہوئے، پھر ہجرت کر کے مدینہ گئے اور مسلمان ہوجانے پر رسول اللہ ﷺ نے زینب کو ان کی زوجیت میں لوٹا دیا۔

پر قائم تھے،اسی مشفقانہ رویہ،لاڈلانہ محبت اور بے محابہ مروت کا نتیجہ تھا کہ ابوالعاص حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

اور زینب رضی اللہ عنہا بھی اپنے شوہر ابوالعاص پر کتنی جانثار تھیں،اسی واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے، یہ پہلا موقع نہیں، بلکہ کئی ایسے مواقع آئے ہیں،جن مواقع پر زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے مال کا فدیہ دے کرانہیں قید وبند کی صعوبتوں سے نجات دلائی اوران کے لیے اپنی محبت کے دریچے کووا کردیا۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ابوالعاص شام کی تجارت کے لیے نکلے،اور جب وہ اپنی تجارت سے فارغ ہوئے،اور لوٹنے لگے توان کی ملاقات رسول اللہ ﷺ کے بھیجے ہوئے فوجی دستہ سے ہوئی،اس فوجی دستہ نے ان کا مال تجارت لے لیا،اورانہیں بھاگنے پر مجبور کردیا،پھر یہ لوگ ان کا مال تجارت لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں آئے،ادھر ابوالعاص بن الربیع رات کی تاریکی میں زینب بنت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے،اوران سے فریاد رسی کی،اور پناہ چاہی تو انہوں نے پناہ دے دی،جب رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز کے لیے نکلے،اور نماز کے لیے''اللہ اکبر'' کہا،نبی ﷺ کی تکبیر سن کر صحابہ کرام نے بھی''اللہ اکبر'' کہا،اسی درمیان زینب رضی اللہ عنہا عورتوں کی صفوں سے (بلند آواز سے) کہا:

اے لوگو! إني قد أجرت أبا العاص بن الربيع . میں نے ابوالعاص بن ربیع کو پناہ دی ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے،صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے،اور فرمایا:

أيها الناس هل سمعتم ما سمعت؟ اے لوگو(یعنی صحابہ کرام کی جماعت) جو کچھ میں نے سنا ہے،تم لوگوں نے بھی اسے سنا ہے؟

صحابہ نے کہا:ہاں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''والذي نفس محمد بيده ما علمت بشي من ذلك''۔

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے(اس آواز کے پردۂ سماعت سے ٹکرانے سے پہلے) اس کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں ہے،تا آں کہ جو کچھ میں نے سنا(اوراسے تم لوگوں نے بھی سن لیا ہے)۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

إنه يجير على المسلمين أدناهم . مسلمانوں میں سے ادنیٰ شخص امان دے سکتا ہے۔(۱)

پھر اس کے بعد نبی ﷺ واپس ہوئے،اوراپنی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کے پاس گئے،اوران سے کہا:

اے میری پیاری بیٹی !ابوالعاص بن الربیع کی عزت کرو،وہ تمہارے قریب ہرگز نہ آئیں،کیونکہ تم ان کے لیے حلال نہیں ہو۔

☆☆☆

(۱)اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کسی کافر کوامان دے سکتی ہے۔مزید تفصیل کے لیے دیکھئے:سنن ابوداود،حدیث نمبر(۲۷۶۳-۲۷۶۴)

تعلیم قرآن-حقیقت واہمیت

مفتی کلیم رحمانی

دین اسلام کے احکام میں سے ایک حکم تعلیم قرآن ہے،اور دین کا کوئی حکم ایسا نہیں ہے جس کی کوئی حقیقت واہمیت نہ ہواور ہر حکم کی غرض وغایت کو جاننے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی حقیقت واہمیت کو سمجھا جائے۔آج کے ان حالات میں تعلیم قرآن کی حقیقت واہمیت کو واضح کرنے کی اس لیے بھی زیادہ ضرورت ہے کہ عام مسلمانوں کے ذہن ودماغ سے تعلیم قرآن کی حقیقت واہمیت نکلتی جارہی ہے،اور جو مسلمان تعلیم قرآن کو کچھ اہمیت دیتے ہیں ان کے نزدیک بھی تعلیم قرآن کی صحیح حقیقت واہمیت پائی نہیں جاتی جس کی وجہ سے قرآن کا حقیقی پیغام عام مسلمانوں تک نہیں پہنچ پارہا ہے۔کسی بھی حکم کی حقیقت کو جاننے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اس کی لفظی ومعنوی حقیقت معلوم کی جائے،اس لحاظ سے تعلیم قرآن کی لفظی حقیقت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ لفظ تعلیم، علم سے مشتق ہے اور علم کے معنی جاننے معلوم کرنے،واقف ہونے کے ہیں تو اب تعلیم قرآن کے معنی ہوں گے قرآن کے احکام وفرامین کو جاننا،معلوم کرنا،واقف ہونا، اور یہ تب ہی ممکن ہے جب تعلیم قرآن کے عمل میں قرآن کے الفاظ سیکھنے سکھانے کے ساتھ آیات قرآنی کے معانی ومطالب کو بھی سیکھا اور سکھایا جائے اور یہ بات تو کسی سے پوشیدہ نہ ہوگی کہ ہر کتاب اور ہر کلام میں جس طرح الفاظ مقصود ہوتے ہیں اسی طرح معانی بھی مقصود ہوتے ہیں بلکہ حقیقی لحاظ سے دیکھا جائے تو الفاظ واسطہ اور ذریعہ کا درجہ رکھتے ہیں اور معانی مقصد کا درجہ رکھتے ہیں،مگر اس کو المیہ ہی کہنا چاہئے کہ آج مسلمان قرآنی الفاظ کو سیکھنے سکھانے اور عام کرنے میں جتنی محنت صرف کررہے ہیں اس کا عشر عشیر بھی معانی قرآن کے سیکھنے سکھانے اور عام کرنے میں صرف نہیں کررہے ہیں۔اس سے ہماری ہرگز یہ غرض نہیں ہے کہ مسلمان ضرورت سے زیادہ الفاظ قرآن کے سیکھنے سکھانے میں توجہ صرف کررہے ہیں بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ الفاظ قرآن کے سیکھنے سکھانے کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے لیکن ہم چاہتے ہیں کہ الفاظ قرآن کے سیکھنے سکھانے میں جتنی محنت صرف ہو اس سے زیادہ نہیں تو کم از کم اتنی ہی محنت معانی قرآن کے سیکھنے سکھانے اور عام کرنے میں صرف ہو۔

تعلیم قرآن کے متعلق مسلمانوں کی یہ سوچ بھی عام مسلمانوں کو علم قرآن سے دور رکھے ہوئے ہے جس کے تحت کہا جاتا ہے کہ قرآن کے معانی ومطالب کو جاننے کے لیے قرآن کی تلاوت اور عربی زبان سے واقفیت ضروری ہے،حالانکہ موجودہ دور میں عام مسلمان قرآن کی تلاوت سیکھے بغیر اور عربی زبان سے ناواقفیت کے باوجود آیات قرآنی کے معانی ومطالب سے واقف ہوسکتے ہیں۔ مثلاً: قرآن کے اردو تراجم وتفاسیر اور درس قرآن کی مجالس وغیرہ۔

جہاں تک تعلیم قرآن کی اہمیت کا تعلق ہے اس کو جاننے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ دین اسلام میں تعلیم قرآن کو جتنی اہمیت حاصل ہے اتنی اہمیت کسی اور عمل کو حاصل نہیں ہے۔اس لیے کہ دین اسلام کو جاننے اور ماننے کا انحصار علوم قرآن وحدیث پر ہے،یہی وجہ ہے کہ قرآن میں تعلیم قرآن کے فریضہ پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے،یہاں تک کہ اللہ تعالی نے تعلیم قرآن کے کام کو نبی ﷺ کی بعثت کا ایک اہم کام قرار دیا،چنانچہ قرآن مجید میں چار مقامات پر اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ کی بعثت کے چار اہم کام بیان فرمائے،ارشاد ربانی ہے:

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (البقرة: ۱۲۹)

ترجمہ: اے ہمارے رب! ان میں انہیں میں سے رسول بھیج جو ان کے پاس تیری آیتیں پڑھے، انہیں کتاب وحکمت سکھائے اور انہیں پاک کرے، یقیناً تو غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔ (تفسیر جونا گڑھی)

﴿كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولاً مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُواْ تَعْلَمُونَ﴾ (البقرة: ١٥١)

ترجمہ: جس طرح ہم نے تم میں تمہیں میں سے رسول بھیجا جو ہماری آیتیں تمہارے سامنے تلاوت کرتا ہے، اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب وحکمت اور وہ چیزیں سکھاتا ہے جس سے تم بے علم تھے۔ (تفسیر جونا گڑھی)

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّهُ عَلَى الْمُؤمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُواْ مِن قَبْلُ لَفِي ضَلالٍ مُّبِينٍ﴾ (سوره آل عمران : ١٦٤)

ترجمہ: بے شک مسلمانوں پر اللہ تعالی کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ (تفسیر جونا گڑھی)

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (الجمعة: ٢)

ترجمہ: وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے، یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ (تفسیر جونا گڑھی)

مذکورہ چاروں ہی آیات میں نبی کریم ﷺ کے چار کام بیان کئے گئے ہیں، یعنی تلاوت قرآن، تزکیۂ نفس، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت، ان چار کاموں میں سے ایک کام تعلیم قرآن ہے، یعنی لوگوں کو قرآن کے معانی ومطلب بتلانا اور اس سلسلہ میں یہ بات تعلیم قرآن کی اہمیت کو مزید بڑھا دیتی ہے کہ بقیہ تین کاموں میں ایک کام تلاوت قرآن بیان کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دین کی تعلیم وتفہیم کے لیے صرف تلاوت قرآن کافی نہیں بلکہ تعلیم قرآن ضروری ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن دین کا ایک مستقبل عمل ہے، اور تعلیم قرآن ایک مستقل عمل یعنی کوئی صرف تلاوت قرآن کے عمل کو انجام دے کر تعلیم قرآن کے عمل سے بری الذمہ نہیں ہوسکتا، اور پھر مزید یہ کہ آیات مذکورہ میں نبی کریم ﷺ کے تعلیم قرآن کے عمل کو براہ راست اس قوم کی طرف منسوب کیا گیا ہے جو عربی داں تھی اور صرف تلاوت قرآن ہی سے قرآن کے بیشتر حصہ کے معانی ومراد کو سمجھ جایا کرتی تھی۔ صرف بعض آیات کی مراد جاننے میں وہ تعلیم قرآن کے محتاج ہوتی تھی، اس سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آج ان مسلمانوں کو تعلیم قرآن کی کتنی زیادہ ضرورت ہے، جو صرف تلاوت قرآن سے ایک آیت کے معنی بھی نہیں سمجھ سکتے۔ اس لحاظ سے ایک مسلمان کی اولین ذمہ داری ہے کہ وہ آیات قرآنی کے معانی ومراد کو جانے اور انہیں دوسروں تک پہنچائے، یہی وجہ ہے کہ تعلیم قرآن کی اہمیت میں نبی کریم ﷺ کی بے شمار احادیث ہیں، بخاری شریف کی ایک روایت ہے: آپ ﷺ نے فرمایا: "خيركم من تعلم القرآن وعلمه" یعنی تم میں بہتر شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔ یہاں بھی سیکھنے سکھانے سے مراد صرف الفاظ قرآن کا سیکھنا سکھانا نہیں، بلکہ الفاظ کے ساتھ معانی ومراد بھی ہے، اس لیے کہ لفظ تعلیم وتعلم میں معانی لازمی طور پر شامل ہیں۔ اب حدیث رسول کا خلاصہ یہ ہوا کہ جو شخص بھی اس دنیا میں بہتر شخص بن کر زندگی گزارنا چاہتا اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے تعلیمات قرآنی سے واقف ہو اور دوسروں کو واقف کرائے، اور یہی دو صفتیں ہیں جن

سے متصف ہوکر ایک مسلمان کی زندگی دینی لحاظ سے بہتر ہوسکتی ہے، ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو ترمذی ومشکاۃ میں ہے: "تعلموا الفرائض والقرآن وعلموا الناس فاني مقبوض" (یعنی فرائض اور قرآن کا علم حاصل کرو اور لوگوں کو سکھلاؤ اس لیے کہ میں تم سے رخصت ہونے والا ہوں)۔

درس قرآن کی فضیلت کو واضح کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: "ما اجتمع قوم في بيت من بيوت الله يتلون كتاب الله، ويتدارسونه بينهم الا نزلت عليهم السكينة وغشيتهم الرحمة وحفتهم الملائكة وذكرهم الله فيمن عنده، ومن بطّأ به عمله، لم يسرع به نسبه"۔ (مسلم، مشکاۃ)

ترجمہ: (جو جماعت اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر یعنی مسجد میں قرآن کی تلاوت کرتی ہے اور ایک دوسرے کو اس کا درس دیتی ہے تو اس پر سکینت نازل ہوتی ہے اور اللہ کی رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالی بطور فخر کے ان کا تذکرہ فرشتوں کے سامنے کرتا ہے اور جس کو اس کا عمل پیچھے کردے اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکتا)۔

اس حدیث سے دو اہم باتوں پر روشنی پڑتی ہے ایک یہ کہ مساجد کے قیام کا جہاں ایک مقصد ان میں اللہ تعالی کی عبادت نماز وغیرہ ادا کرنا ہے وہیں ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ان میں تلاوت قرآن اور درس قرآن کی مجلس منعقد ہوں اور دوسرے یہ کہ قرآن کے متعلق صرف تلاوت کافی نہیں بلکہ معانی ومراد کا جاننا بھی ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ حدیث مذکورہ میں تلاوت کے ساتھ درس قرآن کا بھی ذکر ہے، تعلیم قرآن کی اہمیت میں نبی کریم ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا:

"عن عبيدة الملكي وكانت له صحبة قال قال رسول الله ﷺ يا أهل القرآن لا تتوسدوا القرآن واتلوه حق تلاوته من آناء الليل والنهار، وافشوه وتغنوه وتدبروا ما فيه لعلكم تفلحون ولا تعجلوا ثوابه، فإن له ثوابا"۔ (بیہقی، مشکاۃ)

ترجمہ: (حضرت عبیدہ ملکی جو صحابی رسول ہیں، رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اے قرآن والو! قرآن کو تکیہ نہ بناؤ اور اس کی تلاوت کرو جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے دن رات کے حصوں میں اور اس کو پھیلاؤ اور اس کو خوش آواز سے پڑھو اور اس کے معانی میں غور کرو تا کہ تم فلاح کو پہنچو اور اس کا بدلہ دنیا میں طلب مت کرو، اس لیے کہ آخرت میں اس کے لیے بڑا اجر ہے)، اس حدیث میں خصوصیت کے ساتھ پانچ باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، اور ان پانچوں ہی باتوں سے معانی قرآن کی اہمیت واضح ہوتی ہے، پہلی بات یہ کہ نبی کریم ﷺ نے ایمان والوں کو اہل قرآن کہا، جس سے معلوم ہوا کہ مومن کی اصل پہچان اہل قرآن ہونا ہے اور یہ تب ہی ہوسکتا ہے جبکہ اہل ایمان کو قرآن کے معانی ومطالب سے خصوصی لگاؤ ہو۔

بات کا خلاصہ یہ نکلا کہ ایک مسلمان کی فکر وعمل دونوں قرآن کے تابع ہونے چاہئے، اور یہ تب ہی ممکن ہے جبکہ قرآن کے معانی ومطالب کو سمجھا جائے اور اس کے مطابق عملی زندگی گذارے۔ تیسری بات یہ کہ آپ ﷺ نے قرآن کی ایسی تلاوت کرنے کا حکم دیا جیسے اس کی تلاوت کا حق ہے، یوں تو مطلق تلاوت میں بھی معانی قرآن کا مفہوم شامل ہے، لیکن آپ نے حق تلاوت کا حکم دے کر معانی ومراد سے واقفیت ضروری قرار دیا ہے۔ چوتھی بات یہ کہ آپ نے قرآن کو پھیلانے کا حکم دیا اور ظاہر ہے یہاں صرف الفاظ قرآن کا پھیلانا مراد نہیں بلکہ الفاظ ومعانی کے ساتھ پھیلانا مراد ہے۔ پانچویں بات یہ کہ آپ نے قرآن میں غور وفکر کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی تب ہی ممکن ہے جبکہ قرآن کو سمجھ کر پڑھا جائے۔ (ماخوذ از: دین میں قرآن فہمی کی اہمیت) ☆☆☆

مطالعہ تاریخ کے بعض اصول وضوابط

تحریر: شیخ عثمان بن محمد الناصری آل خمیس ترجمہ: ابومسعود عبدالجبار سلفی

ہم مطالعہ تاریخ کیسے کریں؟

ہمیں چاہیے کہ ہم تاریخ کو ایسے ہی پڑھیں جیسے حضرت رسول مقبول ﷺ کی احادیث مبارکہ کو پڑھتے ہیں اور جب ہم آپ کی احادیث پڑھتے ہیں تو ہم اس بات کی تحقیق کرتے ہیں کہ یہ چیز آپ ﷺ سے ثابت بھی ہے یا نہیں؟ ہم حضور نبی کریم ﷺ سے روایت کردہ احادیث کی صحت وضعف اور اس کے مستند اور غیر مستند ہونے کا اس وقت تک کوئی فیصلہ نہیں کرسکتے جب تک سند اور متن کو (جرح وتعدیل کی کسوٹی پر) پرکھ نہ لیں، کیونکہ اہل علم نے حدیث اور اس کے راویوں کے معاملے میں خصوصی دلچسپی لی ہے اور ان کی روایت کردہ احادیث کو تلاش کرکے انہیں کھنگالا ہے، ان پر صحت وضعف کا حکم صادر کیا ہے اور یوں ان میں جھوٹ، تدلیس اور ان جیسے دیگر عیوب کی نشاندہی کرکے ان احادیث کو ان باتوں سے نکھار دیا گیا ہے جو ان میں داخل کی گئی ہیں۔

لیکن تاریخ کا معاملہ اس سے مختلف ہے، چنانچہ اس میں بہت سی روایات ایسی ہیں جن کی سند ہی نہیں اور بسا اوقات اسناد تو ملتی ہیں لیکن ان سندوں کے راویوں کے حالات زندگی نہیں ملتے اور نہ ہی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اہل علم نے ان کی مدح کی ہے یا مذمت، ان کی تعدیل کی ہے یا ان پر جرح کی ہے۔ اندریں صورت ہمارے لیے مشکل ہے کہ ہم ان پر کوئی حکم لگائیں کہ وہ صحیح ہیں یا ضعیف، کیونکہ ہم سند کے چند راویوں کے حالات نہیں جانتے، لہذا تاریخ کا معاملہ حدیث سے بھی مشکل ہوگیا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اس میں تساہل سے کام لیں اور بلا تحقیق تاریخی روایات کو قبول کرتے چلے جائیں۔ نہیں! بلکہ ہمیں تحقیق کرنی چاہئے اور ہمیں اپنی حقیقی تاریخ کو حاصل کرنے کا فن سیکھنا چاہئے۔

اس موقع پر کوئی کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ اس طریقے سے تو ہماری تاریخ کا بہت بڑا حصہ ضائع ہوجائے گا۔

ہم اس مفروضے کو یہ کہہ کر رد کردیں گے کہ (یہ تمہارا خام خیال ہے)، اس طریقے سے ہماری تاریخ کا اکثر حصہ ضائع نہیں ہوسکتا بلکہ اس سے ہماری اصل اور حقیقی تاریخ نکھر کر سامنے آجائے گی۔ جبکہ بے شمار تاریخی روایات اور خصوصا وہ روایات جو ہماری اس بحث سے تعلق رکھتی ہیں، وہ باسند مروی ہیں، خواہ وہ کتب تاریخ میں ہوں جیسا کہ تاریخ طبری ہے، یا کتب حدیث میں ہوں جیسا کہ صحیح بخاری، مسند احمد، سنن ترمذی میں یا مصنفات میں ہوں جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ، یا ان کتب تفسیر میں ہوں جو تاریخی روایات کا تذکرہ سندوں کے ساتھ کرتی ہیں جیسا کہ تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن کثیر ہے۔ بسا اوقات یہ روایات ان خاص کتب سے ملتی ہیں جو بعض مخصوص زمانوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں مثلا کتاب حروب الردہ للکلاعی،

کتاب مختصر تاریخ خلیفہ بن خیاط ہے، مقصد یہ ہے کہ آپ ان روایات میں سے کسی بھی روایت کی سند تلاش کرنے میں ناکام نہیں ہوسکتے۔

مقصد یہ ہے کہ (جستجو کرنے سے) آپ کو ان روایات کی اسناد مل سکتی ہیں اور اگر آپ کو کسی بھی صورت میں سند نہ ملے تو آپ کے پاس ایک عام اصل (معیار) ہے جس پر آپ گامزن رہ سکتے ہیں اور اس اصل کا تعلق دور صحابہ سے خاص ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالی اور اس کے مقدس رسول ﷺ نے صحابہ کی تعریف بیان فرمائی ہے، اس بنا پر آپ ایمان رکھیں کہ صحابہ کرام عادل ہیں یعنی (اور ان میں اصل، عدل ہے اور جب آپ کو کوئی ایسی روایت ملے جس میں اصحاب رسول ﷺ پر حرف آتا ہے تو اصول یہ ہے کہ اس کی سند دیکھی جائے اور اگر سند صحیح ہو تو اس کا صحیح مطلب تلاش کیا جائے گا اور پتہ لگایا جائے گا کہ یہ روایت کس بات پر دلالت کرتی ہے اور اگر ہمیں پتہ چل جائے کہ اس کی سند ہی ضعیف اور ناقابل اعتبار ہے تو الحمد للہ۔ اگر اس کی سند نہیں ملتی تو ہمارے پاس اصل ہے اور وہ ہے اصحاب رسول ﷺ کی عدالت جو قرآن وحدیث سے ثابت ہے (کہ وہ پاکیزہ جماعت، نیک نیت اور بے قصور تھے۔)

بنابریں جب ہم تاریخ پڑھیں تو یوں پڑھیں جیسے ہم حدیث رسول کو صحت کے معیار پر پرکھ کر پڑھتے ہیں، خصوصا تاریخ کا وہ حصہ جو اصحاب رسول کے ساتھ خاص ہے۔

ہم کن کی تاریخ مؤلفات پڑھیں:

افسوس ناک بات یہ ہے کہ ہمارے اس دور میں بہت سے لوگ تاریخ کے موضوع پر لکھی ہوئی جدید کتابیں پڑھتے ہیں، جن میں یا تو واقعات کو رنگ آمیزی سے بیان کیا گیا ہے، یا انہیں بگاڑ دیا گیا ہے، یا ان میں یہ دونوں چیزیں بیک وقت موجود ہیں، قطع نظر اس بات سے کہ وہ صحیح ہیں یا من گھڑت مثلا عباس العقاد، خالد محمد خالد، طہ حسین اور جورجی زیدان یا ان جیسے دیگر جدید اور ماڈرن مؤرخین کی مؤلفات (۱) چنانچہ یہ لوگ جب تاریخ کے موضوع پر گفتگو کرتے ہیں تو قصے کو خوبصورت بنانے اور اسلوب بیان کو سنوارنے کا اہتمام کرتے ہیں، قطع نظر اس بات کے کہ یہ قصہ صحیح ہے یا غیر صحیح، ان کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ آپ کے سامنے قصے کو خوبصورت اور داستانوی انداز میں پیش کریں۔

اس صورت میں ہم کیا پڑھیں:

اگر آپ تاریخی واقعات کی اسانید کی تحقیق کر سکتے ہیں تو امام طبری کو پڑھیں کیونکہ وہ تقریبا ان لوگوں کے سرخیل ہیں جنہوں نے تاریخ کے موضوع پر قلم اٹھایا۔ اگر آپ واقعات کی اسانید پر تنقید وتحقیق نہیں کر سکتے تو امام ابن کثیر کی ''البدایۃ والنہایۃ'' اور امام ذہبی کی ''تاریخ الاسلام'' اور امام ابوبکر بن العربی کی ''العواصم من القواصم'' پڑھیں کیونکہ دور صحابہ کے اس عرصہ (۱۱ھ تا ۶۱ھ) کے حالات اور واقعات پر یہ کتابیں، سب سے عمدہ اور شاندار ہیں۔

(۱) یا جیسے برصغیر میں نسیم حجازی، اسلم راہی اور عنایت اللہ وغیرہ کے تاریخی ناولوں میں وضعی روایات شامل ہیں۔

مطالعہ تاریخ کے دوران احتیاط:

تاریخی کتب کا مطالعہ کرتے وقت ہمیں مؤلف کی ذاتی رائے کی طرف مائل نہیں ہونا چاہئے بلکہ اسے نظر انداز کرکے اصل روایت کی طرف دیکھنا چاہیے (کہ وہ ثابت بھی ہے یا نہیں) اور پڑھتے وقت انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے اور ہمیں خصوصا اصحاب الرسول ﷺ کی تاریخ پڑھتے وقت دو باتوں پر ایمان واعتقاد رکھنا چاہیے۔

☆ پہلی بات: ہمیں اس حقیقت پر ایمان واعتقاد رکھنا چاہیے کہ انبیاء کرام علیہم صلوات اللہ وسلامہ کے بعد اصحاب الرسول ﷺ تمام انسانوں سے افضل ہیں، کیونکہ اللہ تعالی نے ان کی تعریف بیان کی ہے اور آنحضرت ﷺ نے بھی ان کی تعریف کی ہے اور آپ نے بہت سی احادیث میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ وہ تمام امت سے افضل ہیں، یا یہ کہ وہ انبیائے کرام صلوات اللہ وسلامہ علیہم کے بعد سب امتوں سے افضل ہیں۔

☆ دوسری بات: ہم یہ بات ذہن میں رکھیں کہ اصحاب رسول ﷺ بتقاضائے بشریت معصوم عن الخطا نہ تھے، ہاں البتہ اس بات پر ضرور اعتقاد رکھنا چاہئے کہ ان کے اجماع کو درجہ معصومیت حاصل ہے، کیونکہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے ہمیں خبر دی ہے کہ: ''میری امت ضلالت وگمراہی پر اجماع نہ کرے گی''۔(۱)

چنانچہ وہ اس اعتبار سے معصوم ہیں کہ وہ سب ضلالت وگمراہی پر متفق ہوں لیکن انفرادی طور پر وہ معصوم نہیں ہیں، کیونکہ انفرادی عصمت صرف اللہ کے مقدس رسولوں کو حاصل ہے، ان کے علاوہ ہم کسی کی انفرادی عصمت کا اعتقاد نہیں رکھ سکتے۔ اس بنا پر لازم ٹھہرا کہ ہم صحابہ رضی اللہ عنہم کے خیر القرون ہونے کا اعتقاد رکھیں اور اس بات پر بھی اعتقاد رکھیں کہ وہ معصوم نہیں ہیں۔

لہذا جب آپ کے سامنے کوئی ایسی روایت گذرے جس میں کسی صحابی رسول پر طعن، یا حرف آتا ہو، تو اسے رد کرنے میں جلدی کیجئے نہ قبول کرنے میں! بلکہ اس کی سند دیکھیے! اگر سند صحیح ہو تو وہ روایت اس قبیل سے ہوگی کہ وہ معصوم نہیں ہیں۔ اور اگر سند ضعیف ہو تو ہم اصل پر قائم رہیں گے کہ وہ انبیائے کرام کے بعد تمام انسانوں سے افضل ہیں۔

اللہ تعالی نے اصحاب رسول ﷺ کی تعریف جن آیات میں بیان کی ہے ان میں سے ایک یہ ہے:

﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَاناً سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْراً عَظِيماً﴾. (سورة الفتح: ۲۹)

''محمد اللہ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم خو ہیں، تو انہیں اللہ کا

(۱) مسند احمد من طریق ابی بصرہ الغفاری: ۶/۳۹۶، ابن ماجہ: کتاب الفتن، باب السواد الاعظم: ۲/۳۶۷، رقم الحدیث: ۳۹۹۸، ابن ابی عاصم فی السنۃ رقم: ۸۰۔

فضل اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے رکوع اور سجدوں کی حالت میں دیکھے گا، ان کے چہروں پر سجدوں کی وجہ سے (شرف ووقار) کی علامات ہیں۔ان کی یہی نشانی تورات میں ہے اور یہی نشانی انجیل میں ہے، اس کھیتی کی طرح جس نے اپنی کونپلیں نکالیں، پھر وہ مضبوط ہوئی، پھر وہ اپنی ڈالی پر کھڑی ہوئی، اس کا یہ منظر کسان کو مسرور کرتا ہے۔تا کہ اللہ ان کے ذریعے کفار کو غصہ دلائے (اور وہ ان کی شان وشوکت دیکھ کر دانت پیستے رہیں) اللہ تعالی نے ایمان قبول کرنے اور نیک کام کرنے والوں سے بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے''۔

اللہ تعالی نے اس جیسی آیات میں تمام اصحاب رسول ﷺ کی مدح بیان کی ہے، اس لیے بنیادی طور پر وہ سب تعریف کے مستحق ہیں اور جیسا کہ حضرت نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

" لا تسبوا أصحابي فلو أن أحدكم أنفق مثل أحد ذهبا ما بلغ مد أحدهم ولا نصيفه"۔ (۱)

''کہ میرے صحابہ کو گالی نہ دینا، اگر تم میں سے کوئی آدمی احد پہاڑ جتنا سونا بھی راہ خدا میں خرچ کر ڈالے، تو ان کے ایک سیر جَو خرچ کرنے کے برابر درجہ حاصل نہ کر سکے گا، بلکہ نصف سیر جَو کے برابر بھی نہ پہنچ سکے گا''۔

یہ ہے حضرت رسول اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح وثنا!

آخر میں ہم محتاط تاریخی مطالعہ کی بابت ابوعبداللہ قحطانی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحتیں نقل کرتے ہیں، آپ اپنے قصیدہ نونیہ میں فرماتے ہیں:

لا تقبلن من التوارخ كل ما — جمع الرواة وخط كل بنان
ارو الحديث المنتقى عن أهله — سيما ذوي الأحلام والاسنان
كابن المسيب والعلاء ومالك — والليث والزهري أو سفيان

چنانچہ امام ابوعبداللہ قحطانی ان اشعار کے ذریعے اپنے مخاطب کو راویوں کی ہر طرح کی لکھی ہوئی اور جمع کی ہوئی تاریخی روایتوں کے قبول کرنے سے ڈرا رہے ہیں کیونکہ ان میں رطب ویابس کی بھرمار ہے، اگر ایسی روایات نظر سے گزریں تو پھر کیا کیا جائے؟ فرماتے ہیں اہل حدیث کی کسوٹی اور ان کے معیار پر پورا اترنے والی حدیث کو ان سے روایت کر خصوصا ابن مسیّب، علاء، مالک، لیث، زہری یا سفیان جیسے ائمہ اعلام سے۔

اگر آپ صحیح تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں تو وہ وہی ہوسکتی ہے جو ان ائمہ دین یا ان جیسے ثقہ ائمہ اعلام کی زبان سے مروی ہو نہ کہ اصحاب رسول ﷺ پر طوفان تولنے والوں کی لکھی ہوئی تاریخ!............ جو نعوذ باللہ یہ کہتے ہیں:

''ہماری تاریخ سیاہ ترین تاریخ ہے''۔

حالانکہ ایسا ہرگز نہیں بلکہ ہماری تاریخ حسین وجمیل اور روشن ترین تاریخ ہے اور اتنی دلچسپ ہے کہ انسان پڑھتے

(۱) صحیح بخاری، کتاب فضائل صحابۃ، باب لو کنت متخذ اخلیلا: ۳۶۷۳، مسلم فضائل صحابہ: ۲۲۱۔

ہوئے سر دھننے لگتا ہے۔

اور جو شخص تفصیل سے معلوم کرنا چاہے، اسے البدایۃ والنہایۃ یا تاریخ اسلام امام ذہبی یا دیگر معتبر کتب تاریخ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

تاریخ کی اہم ترین کتاب امام طبری کی تصنیف ''تاریخ الملوک والأمم'' ہے۔ تاریخ نگار حضرات زیادہ تر امام طبری کی تاریخ سے روایات نقل کرتے ہیں، اہل سنت بھی اور اہل بدعت بھی۔ دونوں اسی کے حوالے پیش کرتے ہیں۔

تاریخ طبری کو دوسروں پر مقدم سمجھنے کی وجوہات: اس کے کئی اسباب ہیں:

۱- امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے دور کا ان حوادث کے قریب تر ہونا۔

۲- امام طبری رحمۃ اللہ علیہ (ان واقعات کی) اسانید ذکر کرتے ہیں۔

۳- امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مقام ومرتبہ۔

۴- اکثر کتب تاریخ اسی کے حوالے سے لکھی گئی ہیں۔

جب معاملہ یہ رہا تو ہمیں بھی چاہیے کہ ہم کوئی تاریخی تحقیق کرنے کے لیے براہ راست امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ کا مطالعہ کریں، لیکن جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ اہل السنۃ بھی تاریخ طبری کا حوالہ دیتے ہیں اور اہل بدعت بھی۔ تو ان دونوں کے درمیان فیصلہ کیسے ہو؟

جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے کہ امام طبری کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اسانید ذکر کرتے ہیں اور اہل السنۃ امام طبری کی صحیح الاسناد روایات لیتے ہیں جبکہ اہل بدعت ہر طرح کی روایات نقل کرتے ہیں خواہ صحیح ہوں یا موضوع! خاص طور وہ روایات جو ان کی خواہشات کے مطابق ہوں۔

تاریخ طبری میں امام محمد بن جریر طبری کا اسلوب نگارش: امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کے شروع میں مقدمہ لکھ کر اس مسئلہ سے ہمیں سکون واطمینان عطا کیا ہے، کاش کہ اس تاریخ کا مطالعہ کرنے والے اس کے مقدمہ کو بھی پڑھ لیا کریں۔(۱)

امام محمد بن جریر طبری اپنی تاریخ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ:

''ہماری اس کتاب کے قاری کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ میں، اپنی شرط کے مطابق، جو روایات اس میں ذکر کرنے والا ہوں اور جو آثار بیان کرنے والا ہوں، اس میں میرا طریق کار یہ ہوگا کہ میں ان کو ان کے راویوں تک سند کے ساتھ بیان کروں گا۔ چنانچہ میری اس کتاب میں درج شدہ ایسی روایات جو ہم نے بعض متقدمین کے حوالے سے بیان کی ہیں اور ان کا مطالعہ کرنے والا آدمی انہیں ناقابل اعتبار سمجھتا ہے، یا ان کے سننے والا انہیں قبیح سمجھتا ہے، کیونکہ وہ انہیں کسی طرح سے صحیح نہیں سمجھتا، یا درحقیقت ان کا کوئی معنی ومفہوم بھی نہیں نکلتا، تو وہ جان لے کہ وہ روایات ہماری طرف سے نہیں بلکہ ہم تک پہنچانے

(۱) بلکہ ہر آدمی کو چاہیے کہ وہ جس کتاب کو پڑھے اس کے مقدمے کو بھی پڑھے تا کہ وہ مؤلف کتاب کا منہج بھی سمجھ سکے۔

والوں کی طرف سے ہیں، ہم نے انہیں اسی طرح بیان کردیا ہے جس طرح وہ ہم تک پہنچی ہیں۔(۱)

قارئین کرام! میں سمجھتا ہوں کہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کے اس مقدمہ میں ذمہ داری آپ پر ڈال دی ہے، ان کا یہ کہنا ہے کہ جب تمہیں میری اس کتاب کی کوئی روایت قبیح اور ناقابل اعتبار نظر آئے اور تم اسے قبول کرنے پر تیار نہیں ہو، تو دیکھئے کہ ہم نے اسے کس سے روایت کیا؟ (لہذا) اس کی ذمہ داری اس پر ہے، میرا کام تو صرف یہ ہے کہ ان لوگوں کا نام بھی ذکر کردوں جنہوں نے مجھے وہ روایت بیان کی۔ اب اگر وہ راوی ثقہ ہے تو قبول کرلیں اگر نہیں ہے تو مسترد کردیں۔

تالیف روایات میں یہ طریقہ کار صرف امام طبری ہی کا نہیں بلکہ اکثر محدثین نے اسی انداز سے روایات جمع کی ہیں۔ چنانچہ جب آپ صحیح روایات پر مشتمل صحیحین کے علاوہ دیگر کتب حدیث مثلاً سنن ترمذی، سنن ابی داود، دارقطنی، دارمی، مسند احمد یا ان جیسی دیگر کتب کی طرف رجوع کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ آپ کے لیے اسناد ذکر کرتے ہیں اور صرف صحیح احادیث پر اکتفا نہیں کرتے، لہذا اب ان کتب کے مطالعہ کے دوران ہمیں اسناد کی طرف دیکھنا ہے اگر سند صحیح ہے تو روایت قبول کرلیجئے ورنہ رد کردیجیے۔ اسی طرح امام طبری نے فقط صحیح روایات درج کرنے کی پابندی نہیں کی بلکہ انہوں نے اس بات کی پابندی بھی کی ہے کہ آپ کے سامنے ان راویوں کا نام ذکر کردیں جن سے انہوں نے روایات سنیں ہیں۔ جب صورت حال یہ ہے تو امام طبری رحمۃ اللہ علیہ پر اس روایت کی ذمہ داری نہیں ہے۔

اور امام طبری نے اپنی تاریخ میں زیادہ تر روایات لوط بن یحییٰ نامی راوی سے بیان کی ہے، جس کی کنیت ابومخنف تھی اور امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی ابومخنف سے پانچ صد ستاسی روایات بیان کی ہیں اور یہ روایات حضرت نبی مکرم ﷺ کی وفات سے شروع ہوتی ہیں اور خلافت یزید بن معاویہ پر ختم ہوتی ہیں۔

چنانچہ ان تمام موضوعات میں آپ کو ابومخنف کی روایات ملیں گی اور اہل بدعت انہیں روایات پر اعتماد کرتے ہیں اور انہیں کے متلاشی رہتے ہیں اور ابومخنف ان روایات کو بیان کرنے میں منفرد نہیں بلکہ وہ صرف دوسروں سے زیادہ مشہور ہے ورنہ انہیں بیان کرنے والے دیگر حضرات بھی ہیں جیسے واقدی اور یہ متروک اور متہم بالکذب ہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ واقدی (۲) بہت بڑا مورخ اور تاریخ شناس ہے لیکن وہ ثقہ نہیں ہے۔

اور تیسرا راوی سیف بن عمر التمیمی (۳) ہے۔ یہ بھی مشہور مورخ ہے لیکن وہ بھی متروک اور متہم بالکذب بھی ہے۔

اور یہی حال محمد بن سائب کلبی (۴) کا ہے اور یہ بھی مشہور کذاب ہے۔

لہذا تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے انسان پر ان جیسے مؤرخین کی روایت کی تحقیق کرنا واجب ہے۔

---

(۱) مقدمہ تاریخ طبری، ص:۵۔

(۲) محمد بن عمر بن واقدی: اس کا تعارف تہذیب التہذیب: ۳۶۳/۹ اور میزان الاعتدال ۶۶۲/۳ پر دیکھئے۔

(۳) سیف بن عمر: اس کا تعارف تہذیب التہذیب ۲۹۵/۴ اور میزان الاعتدال ۲/۵۵ پر دیکھئے۔

(۴) محمد بن سائب کلبی: اس کا تعارف میزان الاعتدال ۵۵۶/۳ پر دیکھئے۔

اب ہم اپنے قلم کا رخ ابومخنف کی طرف پھیرتے ہیں، اس کے متعلق امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ نہیں۔امام ابوحاتم فرماتے ہیں کہ یہ متروک الحدیث ہے۔

ایک مرتبہ ان سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے ہاتھ جھاڑنا شروع کردیے اور فرمایا اس کے متعلق بھی کوئی پوچھنے کی ضرورت سمجھتا ہے؟ امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے۔امام ذہبی فرماتے ہیں: ''داستان ساز مؤلف ہے، اس کی توثیق نہیں کی جاسکتی''۔(۱)

لہٰذا جب آپ تاریخ طبری کو کھولیں اور اس میں کوئی ایسی روایت دیکھیں جس کی وجہ سے اصحاب رسول پر حرف آتا ہے اور پھر دیکھیں کہ طبری نے اسے ابومخنف سے روایت کیا ہے تو اسے کونے میں رکھ دیجیے، کیوں؟

اس لیے کہ یہ ابومخنف کی روایت ہے، اور یہ شخص بدعتی، جھوٹا اور کثیر الروایۃ شخص ہے، اس نے بدعت، جھوٹ اور کثرت روایت جیسی قباحتیں اکٹھی کردی ہیں۔

تاریخ مسخ کرنے کے لیے بعض مؤرخین کا طریق کار:

۱-جھوٹ اور افتراء: یہ لوگ کوئی قصہ گھڑ لیتے ہیں (اور اس پر حاشیہ آرائی بھی کرتے ہیں) مثلاً یہ کہ جب سیدہ صدیقہ بنت صدیق کو سیدنا علی کی موت کی خبر پہنچی تو انہوں نے سجدۂ شکر ادا کیا۔حالانکہ یہ سفید جھوٹ اور من گھڑت داستان ہے۔

۲-کسی اہم واقعہ کی شکل وصورت بگاڑنے کے لیے کمی بیشی کرنا: حادثے کا اصل صحیح ہوتا ہے جیسے سقیفہ بنی ساعدہ کا واقعہ، اس نازک واقعہ کی اصل صحیح ہے اور اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر بن خطاب اور حضرت ابوعبیدہ ایک طرف تھے اور حضرت حباب بن منذر اور حضرت سعد بن عبادہ وغیرہ انصار دوسری طرف تھے لیکن ان لوگوں نے اس حقیقت کا حلیہ بگاڑنے کے لیے جان بوجھ کر بہت سی باتیں بڑھادیں، جس سے ان کی غرض یہی تھی کہ اصحاب رسول ﷺ کی حیات مبارکہ کو داغدار ثابت کریں۔

۳-نازک واقعات کا باطل مفہوم: کسی نازک واقعہ کی ایسی باطل تاویل کرنا جو ان کی خواہش کے مطابق ہو اور ان کے اعتقاد سے میل رکھتی ہو اور جس بدعت پر وہ کاربند ہوں وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتی پھرتی ہو۔

۴-خامیوں اور غلطیوں کو اچھالنا: واقعہ تو صحیح ہے لیکن اس کے اندر تمام طرح کی خوبیوں کو نظرانداز کرکے غلطیوں پر توجہ مرکوز کرنا اور انہیں اچھالنا۔

۵-تاریخی حادثات کی بابت شاعری کرنا: چنانچہ یہ حضرات اپنے شعراء سے اشعار لکھوا کر انہیں امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی طرف، یا ام المؤمنین سیدہ صدیقہ طاہرہ، یا حضرت زبیر، یا حضرت طلحہ کی طرف منسوب کردیتے ہیں تاکہ ان کے ذریعے کسی طرح صحابہ پر طعن ہوسکے، جس طرح انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ آپ نے ام المومنین سیدہ صدیقہ طاہرہ کی نسبت کہا:

(۱) میزان الاعتدال ۳/۴۱۹، الجرح والتعدیل ۷/۱۸۲، لسان المیزان ۴/۴۹۲۔ (۱) دیکھئے: تاویل مشکل القرآن تحقیق سید احمد صقر، ص:۳۲۔

" تَبَغَّلْتِ تَجَمَّلْتِ – وَلَو شِئْتِ تَفَيَّلْتِ ".

۶-جعلی کتابیں اور چٹھیاں لکھنا: انہوں نے حضرت عثمان اور حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت علی اور حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کے نام سے خود ساختہ چٹھیاں لکھیں اور ان کے علاوہ نہج البلاغۃ اور الامامۃ والسیاسۃ لکھ کر بالترتیب حضرت علی اور حضرت امام ابن قتیبہ ؒ کی طرف منسوب کردیں۔(۱)

تاریخ اسلام کی شکل بگاڑنے اور اس میں تدسیس کرنے میں شیعہ کا کردار:

شیعہ مشہور ترین بدعتی ہیں اور انہوں نے تاریخ میں بہت سا جھوٹ داخل کردیا۔ اسی لیے اہل علم جب کسی آدمی کے جھوٹ کو مبالغے کے ساتھ بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں: "أكذب من رافضي" یعنی رافضی سے بڑھ کر جھوٹا۔ کیونکہ ان کے ہاں جھوٹ بہت ہے۔

حضرت امام سلیمان بن مہران فرماتے ہیں کہ: ''میں نے (اہل علم) سے ملاقاتیں کی ہیں اور وہ انہیں (شیعہ کو) کذاب کے علاوہ اور کوئی نام نہ دیتے تھے۔

حضرت قاضی شریک فرماتے ہیں کہ: ''رافضیوں کے سوا ہر آدمی سے علم حاصل کرو، کیونکہ رافضی احادیث گھڑ لیتے ہیں پھر انہیں دین سمجھ لیتے ہیں۔

اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ: ''میں نے رافضیوں جیسی جھوٹی گواہی دیتے کسی کو نہ دیکھا''۔

مقصد یہ ہے کہ اگرچہ دوسرے بدعتی فرقے بھی جھوٹ بول لیتے ہیں لیکن یہ فرقہ اس معاملہ میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا۔

اہل سنت کے ہاں تحقیق کا منہج کب شروع ہوا؟

جب سے فتنہ شروع ہوا اس وقت سے ہی یہ منہج وجود میں آیا، چنانچہ جلیل القدر تابعی امام محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ:

'' پہلے پہل لوگ سند نہیں پوچھا کرتے تھے، جب فتنہ برپا ہوا تو وہ پوچھنے لگے کہ اس روایت کے راوی ذکر کرو، تاکہ ان میں سے اہل سنت کی روایات لے لی جائیں اور اہل بدعت کو پہچان کر ان کی روایات مسترد کردی جائیں''۔(۱) (اس کا سبب یہ ہے کہ لوگوں میں اصل، ثقہ ہونا ہے)۔

امام ابن سیرین کبار تابعین سے ہیں اور انہوں نے صحابہ کا دور پایا ہے اور صغار کبار تابعین کے ساتھ زندگی بسر کی ہے اور فتنہ سے مراد شیعہ، خوارج، قدریہ جیسے بدعتی فرقوں کا ظہور ہے۔(۲) ☆☆☆

(۱) دیکھئے: مقدمہ صحیح مسلم، باب الاسناد من الدین۔

(۲) نوٹ: شیعہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد سے وابستگی کا دعوی کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ امامت کے حق دار بھی وہی ہیں اور یہ لوگ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تکفیر کرتے ہیں۔

☆ خارجیوں سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے جنگ صفین کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں جنگ نہروان میں تہ تیغ کیا۔

☆ قدریہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو تقدیر کی نفی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ (بندہ اپنے افعال کا خالق ہے اور تقدیر وغیرہ کا اس میں کوئی دخل نہیں) اور تمام امور دنیا کسی سابقہ تقدیر کے بغیر پیدا ہوتے ہیں۔

استغفار کے فضائل ومسائل

محمد اظہر بن اصغر علی امام مہدی السلفی
الجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ المنورۃ

الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام على المبعوث رحمة للعالمين، وبعد:

الحاد اور مادہ پرستی کی دنیا میں ہر طرف مال ودولت جمع کرنے کی ہوڑ ہے، ہر ایک چاہتا ہے کہ اس کے پاس بینک بیلینس ہو، اس کا شمار ملک کے رئیسوں میں ہو، وہ جاہ وجلال کا مالک ہو، اس کے گھر میں درجنوں نوکر وچاکر ہوں، اس کے رکھ رکھاؤ کا انداز شاہانہ ہو۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ سب کو فنا کے گھاٹ اترنا ہے۔ ایک مومن اور سچے مسلمان کی نگاہ کبھی بھی دنیاوی چمک دمک پر نہیں ہوتی، وہ سچی مالداری اور دولت مندی جو آخرت کی کامیابی اور فیروزمندی ہے اس پر اپنی توجہ مرکوز کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:" فمن زحزح عن النار وأدخل الجنة فقد فاز وما الحياة الدنيا الا متاع الغرور"(البقرۃ:..........) کہ جو جہنم سے پھیر کہ جنت میں داخل کردیا گیا وہ کامیاب ہوگیا، دنیاوی زندگی تو محض گھاٹے کا سامان ہے۔

چنانچہ پیارے رسول ﷺ اور آپ کے شاگردان رشید صحابہ کرام ہر لمحہ سچی خوشی اور حقیقی مالداری کی تلاش میں رہا کرتے تھے، گناہوں سے کنارہ کشی اور اعمال صالحہ کی کھوج ان کی شناخت تھی، اگر کبھی ان سے دانستہ یا غیر دانستہ طور پر کوئی خطا سرزد ہوتی تھی تو فوراً اللہ کی طرف رجوع کرتے اور توبہ واستغفار میں ہمہ تن مشغول ہوجایا کرتے تھے۔ گناہ پر اصرار کا تصور بھی ان کے یہاں نہیں تھا، لیکن افسوس کا مقام ہے کہ ہمارا حال اس کے برعکس ہے۔ توبہ واستغفار تو دور کی بات بہت سارے مسلمان جانتے ہوئے اور بتلانے کے باوجود گناہ کے کام کو ترک نہیں کرتے، نیز اپنے عمل کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ان گنت شیطانی دلیلیں پیش کرتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ ایک دن میں ستر سے سو مرتبہ تک توبہ واستغفار کرتے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے سارے اگلے اور پچھلے گناہوں کو معاف کر رکھا تھا، اور ہمارا حال یہ ہے کہ نہ جانے دن میں کتنی خطائیں کرتے ہیں مگر ایک بار بھی توبہ کرنے کی فرصت نہیں ہوتی۔ ذیل میں استغفار کے تعلق سے کچھ ضروری ہدایات اور اس کے فوائد کو بیان کیا جاتا ہے:

ذکر کی فضیلت:

☆ استغفار اللہ عزوجل کی اطاعت کا ذریعہ ہے۔

☆ استغفار گناہوں کی مغفرت کا بہترین سبب ہے اللہ ارشاد فرماتا ہے:"فقلت استغفروا ربكم انه كان غفارا" اور میں نے کہا کہ اپنے رب سے اپنے گناہ بخشواؤ (اور معافی مانگو) وہ یقیناً بڑا بخشنے والا ہے۔(نوح:۱۰)

☆استغفار بارش کے نزول کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:"یر سل السماء علیکم مدرارا" وہ تم پر آسمان کوخوب برستا ہوا چھوڑ دیگا۔(نوح:۱۱)

☆استغفار سے مال واولاد میں اضافہ ہوتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:"ویمدد کم بأموا ل و بنین" اور تمہیں خوب پے در پے مال واولاد میں ترقی دے گا۔(نوح:۱۲)

☆استغفار جنت میں دخول کا اہم ذریعہ ہے،اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:"ویجعل لکم جنات" اور تمہیں باغات دے گا۔(نوح:۱۲)

☆استغفار سے ہر طرح کی قوت میں اضا فہ ہوتا ہے،اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :"ویزدکم قوۃ الی قوتکم" اور تمہاری طاقت پر اور طاقت بڑھادے۔(ھود:۵۲)

☆استغفار سے زندگی کے لیے بہتر،زادِراہ تیار ہوتا ہے،اللہ عزوجل فرماتا ہے:"یمتعکم متاعا حسنا" وہ تم کو وقت مقررہ تک اچھا سامان (زندگی) دے گا۔(ھود:۳)

☆استغفار سے بلائیں دور ہوتی ہیں،اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:"وما کان اللہ معذبھم وھم یستغفرون" اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دے گا اس حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے ہوں۔(انفال:۳۳)

☆استغفار ثواب میں اضافے کا ذریعہ ہوتا ہے،اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:"ویؤت کل ذی فضل فضلہ" اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب دے گا۔(ھود:۳)

☆بندہ استغفار کا سب سے زیادہ محتاج ہے کیونکہ وہ رات ودن خطائیں کرتا ہے،جب وہ اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہے تو اللہ تعالی اسے بخش دیتا ہے۔

☆استغفار نزول رحمت کا سبب ہے،اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:"لولا تستغفرون اللہ لعلکم ترحمون" تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کیوں نہیں کرتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔(نمل:۴۶)

☆استغفار مجلس کے لئے کفارہ ہوتا ہے۔

☆استغفار کرنے سے آپ ﷺ کی پیروی کی سعادت حاصل ہوتی ہے،اس لیے کہ نبی ﷺ ایک مجلس میں ستر سے سو بار تک استغفار کرتے تھے۔

استغفار کے تعلق سے اسلاف کرام کے چند اقوال:

۱-لقمان حکیم سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی:اے میرے بیٹے!تم اپنی زبان کو" أللھم اغفرلی" (اے اللہ تو میری مغفرت فرما) کا عادی بناؤ کیوں کہ اللہ تعالی کے لئے کچھ ایسے اوقات ہیں جس میں سوال رد نہیں کرتا۔

۲-حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:ان لوگوں کے لیے بشارت ہے جس کے نامۂ اعمال میں زیادہ سے

زیادہ استغفار پائے جائیں۔

۳۔قتادہؒ بیان فرماتے ہیں: استغفار سے بیماری اور دوا کا پتہ چلتا ہے۔

۴۔أبومنہالؒ فرماتے ہیں: قبر میں استغفار سے بہتر مونس کوئی نہیں ہوسکتا۔

۵۔حسن بصریؒ بیان فرماتے ہیں: تم کثرت سے اپنے گھروں، دسترخوانوں، راستوں، بازاروں اور اپنے مجالس میں استغفار کیا کرو اس لیے کہ تمہیں معلوم نہیں کہ تمہاری بخشش کب ہوجائے۔

استغفار کا وقت:

استغفار پڑھنا تو ویسے ہر وقت مشروع ہے لیکن اگر کوئی شخص کوئی گناہ کرتا ہے تو اس وقت اس کے لئے استغفار کرنا واجب ہوجاتا ہے اور ہر نیک کام کے بعد استغفار کرنا مستحب ہے جس طرح ہر نماز کے بعد تین بار استغفار پڑھنا اور اسی طرح حج کے بعد استغفار کرنا مستحبات میں داخل ہے۔

اور اسی طرح رات میں سہ پہر کے وقت بھی استغفار کی دعاؤں کو پڑھنا مستحب ہے، اس لیے کہ اللہ تعالی نے ایسے وقت میں دعائے استغفار پڑھنے والوں کی تعریف کی ہے۔

چند ماثور استغفار کے کلمات :

۱۔" اَللّٰھُمَّ أَنْتَ رَبِّی لَا اِلٰهَ اِلَّا أَنْتَ، خَلَقْتَنِیْ وَأَنَا عَبْدُكَ وَأَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، أَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، أَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَأَبُوْءُ بِذَنْبِیْ، فَاغْفِرْ لِیْ، فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا أَنْتَ"۔

۲۔"أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ"۔

۳۔"رَبِّ اغْفِرْ لِیْ "۔

۴۔"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ، فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا أَنْتَ"۔

۵۔"رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ"۔

۶۔"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا أَنْتَ، فَاغْفِرْ لِيْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ، وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ"۔

۷۔"أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ وَأَتُوْبُ اِلَيْهِ"۔

ذکر وأذکار کے فوائد:

ذکرو اذکار کے بہت سے فوائد ہیں جن میں سے بطور مثال چند کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

☆ ذکر سے شیطان بھاگتا ہے۔

☆ ذکر سے رحمان راضی ہوتا ہے۔

☆ ذکر سے حزن وملال زائل ہوتا ہے۔

☆ ذکر سے مسرت وخوشی حاصل ہوتی ہے۔
☆ ذکر سے چہرہ پرنور رہوتا ہے۔
☆ ذکر سے روزی حاصل ہوتی ہے۔
☆ ذکر سے اللہ کی محبت حاصل ہوتی ہے۔
☆ ذکر دل کو تازہ رکھتا ہے۔
☆ ذکر سے بندے اور رب کے درمیان کی دوری ختم ہوتی ہے۔
☆ ذکر سے گناہ مٹ جاتے ہیں۔
☆ ذکر سے پریشانی کے وقت فائدہ پہنچتا ہے۔
☆ ذکر سے سکینت ،رحمت اور فرشتوں کی حفاظت حاصل ہوتی ہے۔
☆ ذکر سے انسان غیبت چغلخوری اور فحش باتوں سے دور رہتا ہے۔
☆ ذکر سے بندہ قیامت کے دن حسرت وندامت سے محفوظ رہے گا۔
☆ ذکر کرنے سے آدمی نفاق سے دور رہتا ہے۔
☆ ذکر کا ثواب بہت زیادہ ہے۔
☆ ذکر سے انسان جنت سے قریب اور جہنم سے دور ہوتا ہے۔
☆ اللہ کے نزدیک ذکر کرنے والا شخص سب سے زیادہ مکرم ہے۔
☆ ذکر شقاوت قلبی کو دور کردیتا ہے۔
☆ ذکر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے اوپر اپنے بندوں کے سلسلے میں فخر کرتا ہے۔ذکر سے وقت میں برکت حاصل ہوتی ہے۔
☆ ذکر کے ذریعہ آدمی کو اپنے دشمن پر غلبہ حاصل ہوتا ہے۔
☆ ذکر سے دل کو تقویت ملتی ہے۔
☆ ذکر سے اللہ رب العزت پریشانی ومشقتوں کو ختم فرمادیتا ہے اور معاملات کو آسان کردیتا ہے۔

خلاصہ: ذکر کے بیان کردہ فوائد، کثرت اور مداومت سے،انسان کو حاصل ہوتے ہیں،ساتھ ہی ذکر واذکار کرنے والے کے لیے شرط یہ بھی ہے کہ وہ جملہ بدعات وخرافات،توہمات اور شرکیات سے باز رہے،اور اسی طرح ذکر واذکار کرے جیسا کہ کرنے کا حکم پیارے رسول ﷺ نے دیا ہے،اگر اس میں اپنی مرضی اور خواہشات کو داخل کرے گا تو پھر اسے ذکر کے ثمرات حاصل نہیں ہوسکیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو زیادہ سے زیادہ ذکر واذکار کی توفیق دے۔(آمین) ☆☆☆

بدگمانی اوراس کے مضر اثرات

سعید الرحمٰن عبدالمجید

دنیا میں مختلف رنگ ونسل ومختلف طبیعت وفطرت کے لوگ پائے جاتے ہیں،طبیعت وفطرت کی خوبی اچھے اور نیک دل انسان کی علامت ہے اورطبیعت کی پراگندگی وکجی انسان کی بدخلقی وبدکرداری کی علامت ہے،طبیعت کی اچھائی انسان کو لوگوں کی نظروں میں محبوب بناتی ہے اوراس کو معاشرہ وسوسائٹی میں قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے،معاشرے کے تمام افراد اس کی عزت کرتے ہیں،اس کے برعکس شخص حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے،جو بدخو ومنفی کردار وعمل کا حامل ہو معاشرہ اس کو عزت نہیں دیتا، بلکہ اہل معاشرہ اس کو ملامت کرتے ہیں،اس کے شر سے بچتے ہیں،ایسے لوگ صرف اہل دنیا کی نظروں میں مبغوض نہیں بلکہ اللہ رب العالمین کی محبت اوراس کے قرب سے محروم رہتے ہیں،طبیعت وفطرت کے مذموم خصائل میں سے ایک خصلت ''بدگمانی'' ہے قرآن وحدیث میں اس کو''سوء الظن'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

بدگمانی کہتے ہیں''کسی انسان کے تعلق سے غلط افکار وخیالات رکھنا کہ فلاں شخص ایسا ہوگا ویسا ہوگا، یہ صفت اوراس صفت سے متصف لوگ اللہ کی نگاہ میں بہت ناپسندیدہ ہیں، یہ صفت اہل دنیا کی ناراضگی کے ساتھ ساتھ اللہ رب العالمین کی بھی ناراضگی کا ذریعہ ہے،اللہ رب العالمین سورۃ الحجرات میں بدگمانی کی مذمت اوراس سے اعراض واجتناب کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿يا أيها الذين آمنوا اجتنبوا كثيرا من الظن، ان بعض الظن اثم، ولا تجسسوا ولا يغتب بعضكم بعضا﴾ (سورۃ الحجرات:۱۲)

اے اہل ایمان بہت بدگمانیوں سے بچو، یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور بھید نہ ٹٹولا کرو،اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے۔(ترجمہ مولانا محمد جوناگڈھی)

یعنی اہل تقوی اوراہل خیر کے متعلق ایسے افکار وخیالات رکھنا جو بے اصل وبے بنیاد ہوں اور تہمت وافتراء کے ضمن میں آتے ہوں اس سے اجتناب کرنا چاہئے جبکہ وہ اہل فسق وفجور جو گناہوں میں ملوث اوران پر مصر ہیں ان کے متعلق گناہوں کا گمان یہ بدگمانی نہیں بلکہ حقیقت کا اعتراف ہے،اللہ رب العالمین نے فرمایا: "لا تقف ما ليس لك به علم" ایسی چیز کے پیچھے نہ پڑو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔

بدگمانی انسان کو کچھ نفع نہیں دیتی بلکہ وہ انسان کو گناہ میں مبتلا کردیتی ہے،حق سے دور کرتی ہے، خطا وصواب کے درمیان تمیز نہیں کرنے دیتی،اللہ رب العالمین بدگمانی کی حقیقت اوراس کے نقصانات کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"وما يتبع أكثرهم الا ظنا إن الظن لا يغني من الحق شيئا إن الله عليم بما يفعلون"۔ (یونس:۳۶)

ان میں سے اکثر لوگ صرف گمان پر چل رہے ہیں، یقیناً گمان حق (کی معرفت) میں کچھ کام نہیں دے سکتا، بے شک اللہ رب العالمین ان کے افعال سے باخبر ہے۔

حق کی معرفت بہت بڑی شئی ہے، بغیر حق کی معرفت کے انسان اوراس کی زندگی کا اصل مقصد مفقود ہے، انسان کے مقاصد واہداف میں سے ایک عظیم مقصد حق کی معرفت ہے، بدگمانی حق کے راستے سے دور کردیتی ہے، اورانسان کو مختلف قسم کے خرافات اور بے سود اعمال وافعال میں ملوث کردیتی ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ایک حدیث کے اندر بدگمانی کے متعلق فرمایا: "إياكم والظن فإن الظن أكذب الحديث" (متفق علیہ) بدگمانی سے بچو بے شک بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔

حدیث رسول نے بدگمانی کو سب سے بڑا جھوٹ قرار دیا ہے، کیونکہ آدمی حقیقت کو نہیں جانتا، وہ اپنے ذہن ودماغ کو تھکاتا ہے اوراپنے مسلم بھائی کے بارے میں برے گمان میں مبتلا رہتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ حالت اعتکاف میں تھے، آپ کی بیوی صفیہ آپ سے ملاقات کے لیے آئیں، رات ہوگئی، آپ ان کو گھر پہنچانے لے جارہے تھے، مسجد کے دروازے پر پہنچے، دو آدمیوں کا گذر ہوا، آپ نے ان کو بلایا اور کہا یہ میری بیوی صفیہ ہیں جو مجھ سے ملنے کے لیے آئی تھیں، ان دونوں نے کہا اے اللہ کے رسول آپ کو بتانے کی کیا ضرورت، معاذ اللہ ہم آپ کے بارے میں غلط سوچ ہی نہیں سکتے۔

اللہ کے رسول کا بلانا اوران کو حقیقت حال سے باخبر کرنا، اس میں بہت بڑی حکمت ودانائی پوشیدہ ہے اوروہ بدگمانی سے بچانا، بدگمانی معاشرے میں فتنہ وفساد کا بھی سبب بنتی ہے، واقعۂ افک اس کی مثال ہے، اہل بیت سمیت پورے اہل مدینہ وجملہ صحابہ کرام کو عجیب کشمکش میں مبتلا کردیا تھا، حتی کہ صحابہ کرام میں سے بعض معزز ہستیاں بھی اس کے زد میں آگئیں اوران پر حدقذف نافذ کیا گیا، اس پورے فتنہ کی بنیاد بدگمانی تھی۔

معلوم ہوا کہ بدگمانی ایک مذموم خصلت ہے، اس کے مضر اثرات ہر خاص وعام کو شامل ہیں، اس کا مرتکب اللہ کے غیض وغضب کا شکار ہوتا ہے، بدگمانی انسانی طبیعت کی آلودگی کی علامت ہے، اس بری خصلت کا ارتکاب نیت کی خرابی پر دلالت کرتا ہے، جس سے معاشرہ میں بغض وعناد پھیلتا ہے، اس بری خصلت کا مرتکب شخص اپنے ایمان وایقان میں بہت کمزور ہوتا ہے، اس پر بھروسہ واعتماد نہیں کیا جاسکتا، ایسے لوگوں کو اللہ رب العالمین قیامت کے دن سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔

لہذا اس مذموم خصلت سے اجتناب وپرہیز بے حد ضروری ہے، اس کے نقصانات ہمہ جہت ہیں، اس کے مضر اثرات تمام افراد ومعاشرہ کو متاثر کرسکتے ہیں، قرآن وحدیث سے اس کی مذمت واضح ہے، جو شخص اللہ اوراس کے رسول کی نگاہ میں مبغوض ہوجائے اس کی دنیا وآخرت دونوں تباہ ہوتی ہے، اوراس کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہوتا، اس لیے ہمیں اس سے اجتناب کرنے کی ضرورت ہے۔

اللہ رب العالمین ہم سب کو اچھی طبیعت وفطرت کا حامل بنائے اور بدگمانی اوراس کے نقصانات کو سمجھنے کی توفیق دے، آمین۔☆

علوم القرآن

حروف سبعہ ایک علمی جائزہ

حمید حسن فضل حق/ف۲

قرآن مجید اللہ رب العالمین کی جانب سے نبی ﷺ پر نازل ہونے والی آخری کتاب ہے، اس کے بعد اب نہ تو کوئی نبی آئے گا اور نہ ہی کوئی کتاب نازل ہوگی، اور جن وانس تو کیا پوری کائنات بھی اس طرح کی کتاب بلکہ ایک آیت لانے سے قاصر وعاجز ہے، یہی قرآن مجید کا اعجاز ہے اور اعجاز قرآن متنوع وہمہ جہت ہے، اعجاز ہی کلام الہی اور کلام انسانی کے مابین خط امتیاز کھینچتا ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا قول "أنزل القرآن على سبعة أحرف" کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے، یہ بھی اعجازات قرآن کی فہرست میں داخل ہے۔

قرآن کریم کا سات حروف پر نازل ہونا، اس سے کیا مراد ہے؟ یہ بحث بڑی ہی معرکۃ الآراء، مختلف فیہ اور طویل الذیل بحث ہے، علوم القرآن کے مباحث میں سے ایک مشکل ترین بحث ہے، بنابریں اس میں علماء کے مابین شدید اختلاف ہوا ہے، مختلف اقوال ہیں، سب کا احاطہ طول کا باعث ہوگا، لہذا میں بار خاطر بن جانے والے طول سے اپنا دامن بچا کر انتہائی اختصار کے ساتھ چند مشہور اقوال کو رقم کرتے ہوئے راجح کی تعیین احادیث واقوال کی روشنی میں پیش کروں گا، ان شاء اللہ۔

قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے جیسا کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: "ان هذا القرآن أنزل على سبعة أحرف فاقرؤوا ما تيسر منه"۔ (۱)

مندرجہ بالا حدیث پاک پر کسی محدث کا کوئی کلام نہیں، بلکہ محدثین نے اسے احادیث متواترہ میں شمار کیا ہے، علامہ سیوطی نقلا عن علامہ ابن الجزری لکھتے ہیں: ''حدیث: أنزل القرآن على سبعة أحرف'' کو صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے، وہ یہ ہیں: ابی بن کعب، انس، حذیفہ بن الیمان، زید بن ارقم، سمرہ بن جندب، سلیمان بن صرد، ابن عباس، ابن مسعود، عبدالرحمٰن بن عوف، عثمان بن عفان، عمر بن خطاب، عمر بن ابی سلمہ، عمرو بن العاص، معاذ بن جبل، ہشام بن حکیم، ابی بکرہ، ابوجہم، ابوسعید الخدری، ابوطلحہ الانصاری، ابوہریرہ، ابوایوب، رضی اللہ عنہم۔ (۲)

علامہ سیوطی ابن الجزری کا قول نقل کرنے کے بعد علامہ ابوعبیدہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ یہ حدیث متواتر ہے، اس طرح کہ ابویعلی نے اپنی مسند میں تخریج کی ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہوکر فرمایا: میں ایسے شخص کو جس نے نبی ﷺ سے یہ حدیث سنی ہو کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قرآن کریم سات حروف پر اتارا گیا ہے نیز ان میں سے ہر ایک شافی وکافی ہے'' قسم دیتا ہوں کہ وہ کھڑا ہو کر گواہی دے، پس اتنے صحابہ کرام کھڑے ہوئے کہ ان کی تعداد شمار نہ کی جاسکی، سب نے گواہی دی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا میں بھی ان کے ساتھ گواہی دیتا ہوں۔

---

(۱) البخاری (۴۹۹۲) کتاب فضائل القرآن۔

(۲) الاتقان ۱/۱۴۵۔

حروف سبعہ کا مفہوم:

جب حدیث پر کسی کا کوئی کلام نہیں تو سب سے پہلے یہ مسئلہ درپیش ہے کہ حدیث میں قرآن کریم کے سات حروف پر نازل ہونے کا کیا مطلب ہے؟ چنانچہ حروف سبعہ کا معنی ومفہوم بتانے میں علماء کے مابین شدید اختلاف پایا جاتا ہے، امام سیوطی فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں چالیس اقوال آئے ہیں۔

چند مشہور اقوال:

(۱) عوام وخواص میں جو قول سب سے زیادہ مشہور ہے وہ یہ کہ حروف سبعہ سے مراد قرأت سبعہ ہیں، اس سلسلے میں قائلین یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ احرف یہ حرف کی جمع ہے جس کے معنی ''قرأت'' کے بھی ہوتے ہیں، حالانکہ قرآن وعلوم قرآن کے ماہرین اس قول کی سخت تردید کرتے ہیں، چنانچہ امام زرکشی اس قول کے متعلق لکھتے ہیں: "هو أضعفها" کہ یہ قول تمام اقوال میں سے ضعیف ترین قول ہے۔(۱)

علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ اس سے سات قرأت مراد لینا، دراصل اس کی تعقیب کی گئی ہے، اس طور پر کہ قرآن مجید میں کوئی ایسا کلمہ نہیں جو سات وجوہات وقرأت پر پڑھا جاتا ہو سوائے معدودے چند کے مثلاً عبدالطاغوت اور فلا تقل لهما أف"۔(۲)

امام زرقانی رقمطراز ہیں کہ ''اگر سات حروف سے مراد سات قرأتیں مانی جائیں تو معنی یہ ہوگا کہ قرآن کے تمام کلمات وحروف میں سات قرأتیں پڑھی جائیں اور یہ چیز ممنوع ومستبعد ہے''۔(۳)

مندرجہ بالا اقوال سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ مشہور ومعروف قول صحیح نہیں، تو پھر یہ قول آیا کہاں سے؟ پیچھے ہم ذکر کر چکے ہیں کہ حرف کے متعدد معانی آتے ہیں، ان میں سے ایک معنی ''قرأت'' کے ہیں۔(۴) چنانچہ حرف کے اس معنی سے مراد قرأت سبعہ سمجھ لیا گیا جبکہ قرأت سبعہ کے علاوہ اور بہت سی قرأتیں ہیں مثلاً قرأت عشرہ وغیرہ، البتہ قرأت سبعہ کے مشہور ہونے کا سبب یہ رہا کہ سات مشہور قراء کی قرأتیں عام ہوگئیں۔

(۲) دوسرا مشہور قول جسے قاضی عیاض اور ان کے متبعین کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ یہ کہ سبعہ سے مراد خاص نہیں بلکہ تکثیر مراد ہے، گویا کہ سبعہ کا اطلاق اکائیوں میں کثرت پر کہا گیا ہے جس طرح کہ سبعون کا اطلاق دہائیوں پر ہوتا ہے۔

اس قول کی تردید کے لیے یہ حدیث رسول ﷺ کافی ہے: "إن رسول الله ﷺ قال: اقرأني جبريل على حرف فراجعته فلم أستزيده ويزيد حتى انتهى الى سبعة أحرف"۔(۵)

ترجمہ: حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے قرآن کریم ایک حرف پر پڑھایا، میں نے ان سے مراجعہ کیا اور اس میں زیادتی طلب کرتا رہا، وہ اس میں اضافہ کرتے رہے، یہاں تک کہ سات حروف مکمل ہوگئے۔

مندرجہ بالا حدیث سے اس بات کی مکمل تصریح ہوجاتی ہے کہ سات سے مراد کثرت نہیں بلکہ خاص عدد مراد ہے۔

(۳) امام بیہقی، ابن جریر طبری اور بعض دیگر اہل علم نے حروف سبعہ سے مراد سات زبان بتایا ہے۔

اس قول کو تردید بھی نصوص کتاب وسنت میں کی گئی ہے، مثلاً اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وما أرسلنا من رسول إلا بلسان

---

(۱) البرهان ۱/۲۴۱۔ (۲) الاتقان ۱/۱۴۶۔ (۳) مناهل العرفان ۱/۱۶۶۔

(۴) الحرف: "القرأة التى تقرأ على أوجه" لسان العرب ۹/۴۱۔ (۵) البخاری (۴۹۹۱) کتاب فضائل القرآن۔

قومه"۔ (۱)

امام زرقانی لکھتے ہیں کہ" قرآن کریم میں سات لغات کے علاوہ اور بھی لغات کے الفاظ آئے ہیں، لہذا یہ قول بھی باطل ہے، اسی طرح ابوعبیدہ کا قول نقل کیا ہے کہ" قرآن کے بعض الفاظ لغت قریش کے ہیں اور بعض لغت ہذیل کے، لہذا سبعہ سے مراد سات لغات یہ باطل"۔(۲)

(۴) مذکورہ قول کی مانند ایک قول یہ بھی ہے کہ سات لغات قبائل مضر کے لغات کے ساتھ خاص ہیں جبکہ سابقہ قول میں ساتوں لغات تمام قبائل عرب میں سے سات قبائل کے ساتھ خاص ہیں۔

اگر سات قبائل کی لغات مراد لی جائے تو پھر صحیح بخاری کی حدیث سے اس کی تردید ہو جاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک قبیلہ کے دو صحابی حضرت عمر اور حضرت ہشام رضی اللہ عنہما کی متضاد قرأتوں کو سن کر فرمایا: "كذلك أنزلت، ان هذا القرآن أنزل على سبعة أحرف فاقرؤوا ما تيسر منه"۔ (۳)

(۵) حروف سبعہ سے مراد ایک کلمہ یا ایک معنی میں مختلف الفاظ کی مختلف وجہیں ہیں، یعنی عرب کی مشہور و معروف لغات میں سے سات لغتوں کا کسی ایک کلمہ میں جمع ہو جانا مراد ہے، مثلاً تعالی، اقبل، ہلم، اذھب، اسرع اور اعجل وغیرہ وغیرہ۔ زرقانی نے فقہاء و محدثین کی طرف منسوب کیا ہے۔

مندرجہ بالا قول کی تائید اس حدیث سے ثابت ہے: "عن أبي بكرة عن النبي ﷺ أتاني جبريل وميكائيل، فقال جبريل: اقرأ القرآن على حرف واحد، فقال ميكائيل: استزده، فقال: اقرأه على سبعة أحرف كلها شاف كاف ما لم تختم آية رحمة بعذاب أو آية عذاب برحمة"۔ (۴)

ترجمہ: ایک روایت میں یہ زیادتی ہے: "نحو قولك تعالى واقبل وهلم واذهب واسرع واعجل"۔ (۵)

ترجمہ: جبریل و میکائیل علیہما السلام میرے پاس آئے، پس جبریل نے کہا قرآن کو ایک حرف پر پڑھئے، چنانچہ میکائیل نے کہا کہ زیادہ کر دیجئے، پھر حضرت جبریل نے کہا کہ سات حرف پر پڑھئے، ان میں سے ہر ایک شافی و کافی ہے، جب تک کہ آپ رحمت کی آیت کی عذاب کی آیت یا عذاب کی آیت کو رحمت کی آیت سے مخلوط نہ کر دیں۔ ایک دوسری روایت میں مثال کی وضاحت ہے: تعال، اقبل، هلم، اذهب، اسرع، اور اعجل۔

نبی اکرم ﷺ نے جو مرادفات متعین فرمائے تھے جیسا کہ اوپر مثال گذری، یہ صرف امت کی آسانی کے لیے کیا تھا، رفتہ رفتہ لوگوں کے لیے جب قرآن کی تلاوت آسان ہوگئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا اور صرف انہیں الفاظ کی تلاوت کی اجازت ہوئی جن پر قرآن نازل ہوا تھا۔

(۱) ابراہیم آیت (۴)

(۲) مناهل العرفان ۱/۳/۱۷۳-۱۷۴۔

(۳) البخاری (۴۹۹۲) کتاب فضائل القرآن۔ نوٹ: قبائل مضر سے مراد: قریش، کنانہ، اسد، ہذیل، تمیم، صنبہ اور قیس ہیں۔ قبائل عرب سے مراد: قریش، ہذیل، ثقیف، ہوازن، کنانہ، تمیم اور یمن ہیں، ان کا شمار افصح اللغات میں ہوتا ہے۔

(۴) مسند احمد (۲۰۳۰۴) (۵) مسند احمد (۲۰۳۹۳)

مذکورہ چند اقوال جان لینے کے بعد ذہن اس بات کی طرف متبادر ہوتا ہے کہ سبعۃ احرف سے مراد راجح ترین معنی جان لیا جائے، علوم القرآن کی کتابوں میں سبعۃ احرف کی بحث پڑھنے سے جو قول زیادہ لائق و مناسب معلوم ہوتا ہے نیز جس کی طرف متقدمین میں سے بعض اور متاخرین کی ایک بڑی جماعت کا میلان ہے وہ یہ کہ اختلاف حروف سے مراد اختلاف قرأت کی سات وجہیں ہیں، یہ قرأتیں ساتوں وجوہ سے تجاوز کرسکتی ہیں، مگر جو اختلاف کی نوعیتیں ہیں وہ انہیں سات میں محیط ہیں، درج ذیل میں مذکور ہیں:

(۱) اسماء کا اختلاف: یعنی مفرد و تثنیہ جمع یا تذکیر و تانیث کا اختلاف ہو، مثلا "وتمت كلمة ربك"۔ (۱) میں "كلمات ربك" بھی پڑھا گیا ہے۔

(۲) افعال کا اختلاف: اگر چہ وہ فعل ماضی، مضارع یا امر کا اختلاف ہو، مثلا ربنا باعد بين أسفارنا (۲) میں باعد کو بَعِّدَ بھی پڑھا گیا ہے۔

(۳) وجوہ اعراب کا اختلاف: مثلا "لا يضارَّ كاتب ولا شهيد" (۳) میں لا يضار میں لا کو نافیہ سمجھ کر لا يضارُّ بھی پڑھنا جائز ہے، اسی طرح "ذو العرش المجيد" (۴) میں المجيدُ اور المجيدِ دونوں ہی پڑھا گیا ہے۔

(۴) الفاظ کی نقص و زیادتی کا اختلاف: مثلا "وخلق الذكر والأنثى" میں وما خلق کے بغیر صرف الذكر والأنثى بھی پڑھا گیا، اسی طرح "تجري من تحتها الأنهار" (۵) میں من کے بغیر تجري تحتها الأنهار بھی پڑھا گیا ہے۔

(۵) تقدیم و تاخیر کا اختلاف: مثلا "وجاء ت سكرة الموت بالحق" (۶) کو جاء ت سكرة الحق بالموت بھی پڑھا گیا ہے۔

(۶) حروف میں ابدال کا اختلاف: مثلا "وانظر الى العظام كيف ننشزها" (۷) اس میں ننشزها کو ننشرها بھی پڑھا گیا ہے، اسی طرح "طلح منضود" میں طلح کو طلع بھی پڑھا گیا ہے۔

(۷) لغات میں اختلاف: مثلا "هل أتاك حديث موسى" (۸) اس آیت میں "أتى" اور "موسى" کو فتح و امالہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔

جس طرح اسم و فعل کے اندر تبدیلی واقع ہوئی ہے، اسی طرح حرف میں بھی تبدیلی واقع ہوئی ہے، مثلا "بلى" کہ اس کو فتح و امالہ دونوں ہی طرح سے پڑھا گیا ہے۔

حروف سبعہ کے معنی و مفہوم جان لینے کے بعد یہ بات بھی جان لینی ضروری ہے کہ کیا یہ حروف اب بھی قرآن مجید میں موجود ہیں؟

فقہاء، قراء اور متکلمین کی ایک جماعت اس بات کی طرف گئی ہے کہ یہ حروف مصحف عثمانی میں موجود ہیں، اس لیے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے قبل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی جمع و تدوین میں حروف سبعہ باقی رکھا تھا، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب جمع و تدوین کا کام شروع کیا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مصحف کو تمام حروف سبعہ کے ساتھ منتقل کیا۔ جمہور علماء کا

---

(۱) الانعام (۱۱۵) (۲) المومنون (۸) (۳) البقرۃ (۲۸۲)
(۴) اللیل (۳) (۵) ابراہیم (۲۳) (۶) ق (۱۹)
(۷) الواقعہ (۲۹) (۸) طہ (۹)

خیال ہے کہ مصحف عثمانی انہیں حروف پر مشتمل ہے، جو عرصۂ اخیرہ میں آپ ﷺ نے باقی رکھا، عرصۂ اخیرہ اصطلاح میں کہتے ہیں کہ آخری مرتبہ آپ ﷺ نے جو قرآن حضرت جبریل کو پڑھ کر سنایا، پس اس میں بہت سے اختلاف ختم کردیئے گئے لیکن قراء کے اختلافات اس وجہ سے باقی رہ گئے کہ ایک ہی لغت کی مختلف قرأتیں ہوتی تھیں، چنانچہ قراء ان اختلافات کے ساتھ قرآن پڑھتے رہے۔

معارضین اور ان کے جوابات:

بعض معارضین کا قول ہے کہ قرآن کریم کا سات حروف پر نازل ہونا یہ اختلاف کو لازم قرار دیتا ہے، اور قرآن نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے: "أفلا يتدبرون القرآن ولو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافا كثيرا"۔ (۱)

جواب: احادیث صحیحہ سے جو اختلاف ثابت ہوتا ہے، دراصل وہ اختلاف نہیں بلکہ وہ قرآن کی ادائیگی میں مختلف طرق بیان کئے گئے ہیں اور اس کے تلفظ کو مختلف انداز سے ایک دائرے میں بیان کیا گیا ہے، نیز احادیث میں سبعہ کے لفظ سے تعیین کردی گئی ہے، اس سے تجاوز نہیں ہوسکتا اور قرآن کریم میں معانی اور تعلیمات میں تناقض واختلاف کی نفی کی گئی ہے۔

شیعہ حضرات نے بھی اپنے مذہبی تعصب اور فکری افلاس کی بنا پر سبعۃ احرف کے متعلق باطل رائے ظاہر کی، ان کا قول یہ ہے کہ سبعۃ اُحرف کی روایت کرنے والے سبھی لوگ اہل سنت میں سے ہیں، لہذا ان کی روایت غیر مقبول ہوگی، ہاں اگر رواۃ اہل بیت میں سے ہوتے تو ان کی روایت قابل حجت سمجھی جاتی، اسی طرح ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ قرآن کریم ایک حرف پر نازل ہوا تھا لیکن رواۃ کی جانب سے اختلاف پیدا ہوگیا۔

حاملین قرآن کے متعلق جن کا احتیاط حد درجہ تھا، جنہیں رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا خطاب دنیا ہی میں دے دیا گیا، اس طرح کہنا تعصب نہیں تو اور کیا ہے؟

سبعۃ احرف کے فوائد:

ابتدائے اسلام میں صحابہ کرام میں بچے، بزرگ اور نوجوان ہر طرح کے لوگ موجود تھے اور قرآن کریم ابھی نیا نیا نازل ہوا تھا، جس سے استیناس نہیں ہوا تھا، چنانچہ اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے متعدد حرف کی درخواست کی، چنانچہ اجازت دے کر امت کے لیے آسانی پیدا کردی گئی، حروف سبعہ کے ذریعہ مبہم الفاظ کی تشریح وتوضیح ہوتی ہے، لغت قریش چونکہ سب سے زیادہ فصیح وبلیغ اور لطیف وپراثر سمجھی جاتی تھی، لہذا اس ایک لغت پر امت کو جمع کرنے کے لیے سبعۃ احرف پر پڑھنے کی اجازت دی گئی۔

خلاصۂ کلام یہ سات حروف پر قرآن کریم کا نزول یہ امت کے لیے وسعت اور رحمت کا باعث ہے نہ کہ تناقض اور اختلاف کا۔

☆☆☆

---

(۱) النساء (۸۲)

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی

یونان میں تعمیر مساجد کی منظوری:

ایتھنز جو یونان کا مشہور و معروف شہر ہے، گذشتہ کئی برسوں سے یونان کی مقامی غیر مسلم کونسل اور ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت لارس کی جانب سے مخالفت کے سبب وہاں تعمیر مساجد پر پابندی عائد تھی، جبکہ اس شہر میں پاکستان، بنگلہ دیش، شام، مراکش اور نائجیریا سے تعلق رکھنے والے تقریباً پچاس ہزار سے زائد مسلمان بود و باش رکھتے ہیں، تاہم ہمارے لیے نہایت ہی خوش آئند بات ہے کہ وہاں کے مسلمانوں کی قانونی چارہ جوئی اور مسلسل تگ و دو سے بالآخر پارلیمنٹ کے ۲۱۴ ممبران میں ۱۹۸ ممبران کی تائید وحمایت حاصل ہوئی اور قیام مساجد کی اجازت ومنظوری فراہم ہوگئی۔ (اخبار تحقیق، اسلام آباد، جنوری تا مارچ)

شاہ فیصل عالمی ایوارڈ کا اعلان:

شاہ فیصل عالمی ایوارڈ کے مدیر عام امیر خالد الفیصل بن عبدالعزیز نے سال ۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء کے عالمی ایوارڈ کا اعلان ریاض میں کیا، جس میں اسلامی خدمات کے اعتراف و اعزاز میں سعودی نژاد سلیمان بن عبدالعزیز کو شاہ فیصل عالمی انعام یافتہ قرار دیا گیا، اور اسی طرح شعبۂ دراسات اسلامیہ میں اسلام میں حقوق انسانی کے موضوع پر ڈاکٹر عدنان بن محمد الوزان، اور عربی زبان وادب کے موضوع پر ڈاکٹر علی حلمی احمد موسی کو، جو مصری نژاد ہیں، اعزاز وایوارڈ سے نوازا گیا۔ (العالم الاسلامی، مکہ مکرمہ ۲۳/۱/۲۰۱۲ء)

امریکہ میں مساجد کی تعداد میں دوگنا اضافہ:

ذرائع سے موصولہ خبروں کے مطابق نائن الیون کے بعد امریکہ میں مساجد کی تعداد میں دوگنا اضافہ ہوا ہے، وہاں پر مسلمانوں کی تنظیم ''کیئر'' کے ڈائریکٹر نہاد عوض نے امریکہ میں مساجد کے بڑھتے رجحان سے متعلق ایک رپورٹ میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ اس وقت امریکہ میں مساجد کی کل تعداد ۲/ ہزار ایک سو تک پہنچ چکی ہے، مساجد کی تعمیر نہ صرف بڑے شہروں میں دکھائی دیتی ہے، جہاں مسلمان تارکین وطن اور مقامی مسلم آبادی بکثرت موجود ہے، بلکہ دیہی علاقوں میں بھی مساجد کی تعمیر کا کلچر زور پکڑ رہا ہے۔

مسلمان اختلافات ختم کر کے اتحاد قائم کریں: امام حرم

مورخہ ۲، ۳/ مارچ کو مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے زیر اہتمام دہلی کے رام لیلا میدان میں ۳۱/ ویں آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کے دوران امام حرم ڈاکٹر شیخ سعود بن ابراہیم الشریم حفظہ اللہ نے خطبۂ جمعہ میں مسلمانوں کو اتحاد کا درس دیتے ہوئے فرمایا: ''مسلمانو! اللہ اور رسول کی اطاعت اور فرماں برداری کرتے رہو تو تمہارا بڑا مرتبہ ومقام ہے، لیکن اگر تم نے اللہ کی رسی کو چھوڑ دیا تو نقصان اور خسارے میں رہوگے، جو لوگ اللہ سے رشتہ جوڑ لیتے ہیں وہی فائدے میں رہتے ہیں، انہوں نے مسلمانوں کو تلقین کی کہ اختلافات سے دور ہو اور اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرو، کیونکہ اختلاف امت مسلمہ کے لیے بیحد نقصان دہ چیز ہے، اور اگر تم نے اپنے اختلافات ختم کر لیے تو تم دنیا پر چھا جاؤ گے، ورنہ تمہارے لیے پریشانیاں ومشکلات ہی پیدا ہوں گی۔ (راشٹریہ سہارا لکھنؤ ۳/۳/۲۰۱۲ء)

انجیل کا نایاب نسخہ برآمد:

پاپائے روم بینڈکٹ شانز دہم نے انجام کار انجیل مقدس کا وہ نایاب نسخہ معائنے کے لیے منگوا ہی لیا جس میں مابعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود ان ہی کی زبانی حضرت محمد ﷺ کے بعثت کی بشارت دی گئی ہے۔

برطانوی اخبار ڈیلی میل کے مطابق قدیم ارامی زبان میں انجیل کا یہ نسخہ آج سے ۱۲/ سال قبل دریافت کیا گیا تھا، تاہم عیسائیوں کے مذہبی مرکز ویٹیکن میں موضوع بحث بنے رہنے کی وجہ سے اسے منظر عام پر نہیں لایا گیا تھا۔

العربیۃ ڈاٹ کام کی رپورٹ میں ترک وزیر ثقافت وسیاحت کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ اس نادر ونایاب مقدس نسخے کو کلیساؤں اور پادریوں نے مبینہ طور پر اس لیے پوشیدہ رکھا تھا کہ اس کی بیان کردہ پیشین گوئیاں قرآن کریم میں بیان کردہ حقائق سے کافی مماثلت رکھتی ہیں۔

(روزنامہ انقلاب، از بنارس ۲۸/۲/۲۰۱۲ء)

☆☆☆

دوالمناک حادثے

مولانا عبدالمتین مدنی

۲۸/مارچ کی صبح یقیناً کبھی بھلائی نہیں جاسکتی،سویرے ہی سویرے یہ المناک خبر ہمارے دلوں پرصاعقہ بن کر گری کہ ہمارے استاذ مولانا ابوالقاسم فاروقی حفظہ اللہ کی اہلیہ طویل علالت کے بعد تقریبا ساڑھے تین بجے صبح بروز بدھ اس دنیا سے رخصت ہوگئیں۔تھوڑی دیر کے بعد خبر آئی کہ مولانا کی شیرخوار نواسی اور ڈاکٹر محمد اختر لکچرر شعبۂ اردو وسنت کالج کی صاحب زادی بھی اپنی نانی کے انتقال کے چند لمحوں کے بعد دنیا سے چل بسی، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔ بیک وقت دو عظیم صدموں کو برداشت کرنا یقیناً مشکل امر تھا،لیکن مشیت خداوندی میں کسی کا دخل نہیں ہے اور ہم انسانوں کے لیے صبر کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔اللہ تعالی مرحومہ کی مغفرت فرمائے،،ان کی لغزشوں کو معاف کرے اوران کی روح کو اعلی علیین میں جگہ دے۔ مولانا اوران کے بچوں کو صبر جمیل عطا کرے،آمین۔

مولانا کی اہلیہ جامعہ رحمانیہ شعبۂ بنات کی بزرگ اور سینئر استانی تھیں، پورے مدن پورہ میں زرین باجی کے نام سے مشہور تھیں،۱۹۸۱ء سے ۲۰۰۷ء تک تقریبا چھبیس سال تک انہوں نے رحمانیہ میں تدریسی فرائض انجام دیا۔قرآن،عقیدہ،فقہ اوراردوادب ان کے پسندیدہ مضامین تھے۔اپنے مخصوص طرز تدریس کی وجہ سے شاگرداؤں میں بے حد مقبول تھیں،وہ ایک بہترین مقرر اور خطیب بھی تھیں،انداز تقریر بے حد دل نشین ہوتا تھا،حمد ونعت کثرت سے یاد تھی،خوش گلو تھیں،جب حمد ونعت پڑھتیں تو سماں بندھ جاتا تھا،کیف بھوپالی کی منظوم القرآن کے بیشتر اشعار مع قرآنی آیات کے حفظ تھے۔مدن پورہ کی مشہور خطیبہ مولانا شاہد جنید سلفی حفظہ اللہ کی والدہ سے ایک بار کسی خاتون نے سوال کیا کہ آپ کے بعد اجتماعات میں کون تقریریں کرے گا،انہوں نے جواب دیا کہ زرین ان شاءاللہ میری جگہ لے گی۔ان کے اس تبصرے پر زرین باجی بے حد خوش تھیں، رحمانیہ میں بچیوں کو ہر جمعرات کو تقریر کی مشق کراتی تھیں،شعبۂ بنات کی تقریبات کی نظامت وہی کرتی تھیں۔

تعویذ گنڈوں،شرک وبدعت سے بے حد نفرت تھی،سنی گھرانوں کی لڑکیوں کو اس کی حرمت کے بارے میں سمجھاتی تھیں،اوراس بارے میں کسی ملامت یادشمنی کی پرواہ نہیں کرتی تھیں،خوش اخلاقی میں وہ ضرب المثل بن گئیں تھیں،اتباع سنت کے جذبے سے سرشار تھیں،حتی کہ گھر میں پکی ہوئی چیز کھانے سے پہلے پڑوسی کے گھر نہ پہنچائی جاتی تو اپنی لڑکیوں پر سخت ناراضگی کا اظہار کرتی تھیں۔عورتیں گھر آتیں تو چاہے وہ محلّہ کی ہوں، پڑوس کی ہوں یا غیر متعلق ہوں انہیں بدعات وخرافات سے دور رہنے کی تلقین ضرور کرتیں تھیں، بے حد مخیّر وفیاض تھیں،غریب اعزہ واقربا کی مدد چپکے چپکے کرتیں،سائلین کو دینے کے

لیے روپئے تکیہ کے نیچے رکھ دیتیں، مبادا دیر ہوجائے اور سائل واپس چلا جائے ،طلبا آتے تو اصرار کرکے انہیں کھانا کھلاتیں، ان کی مہمان نوازی بھی مثال بن چکی تھی۔

اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت پرخصوصی دھیان دیتی تھیں،تلاوت قرآن اور نماز ان کے لیے جان سے زیادہ قیمتی تھے، فریضۂ حج کی ادائیگی اور خانہ کعبہ کے دیدار کی بڑی تمنا تھی، دوبار حج کا فارم بھرا گیا،لیکن علالت رکاوٹ بن گئی، حج تو نہیں کرسکیں لیکن بچوں نے دوبار عمرہ کرا کے کسی حد تک ان کی تمنا پوری کردی۔عمرہ سے لوٹ کرآئیں تو ان کی مسرت قابل دید تھی، گویا کوئی خزانہ مل گیا۔اتنی گوناگوں مومنانہ صفات کی وجہ سے خاندان اور متعلقین میں انہیں مرکزیت حاصل تھی، ان کی موت نے سب کوسوگوار کردیا۔ ۲۰۰۷ء سے بیماری کی وجہ سے تدریس ترک کردینا پڑا،لیکن مدرسہ سے انہیں اس قدر محبت تھی کہ اس کی سرگرمیوں سے ہمیشہ باخبر رہنے کی کوشش کرتی تھیں،ان کا پورا اسٹاف برابر ان سے رابطہ رکھے ہوئے تھا، ۲۹؍ فروری کو معمول کے مطابق چیک اپ اور علاج سے وہ بمبئی سے واپس لوٹی تھیں،لیکن مرض بڑھتا گیا، آخری ہفتہ بے حد تکلیف سے گذرا، دوسرے بیٹے ڈاکٹر ربانی کا سہرہ دیکھنے کی شدید تمنا تھی،ایک طرف نواسی ہیر پیتچ کے آئی سی یو میں موت وزیست کی کش مکش میں مبتلا تھی، دوسری طرف وہ خود بے حد کرب میں تھیں،سادگی سے نکاح کرکے بہو کو گھر لایا گیا،خوشیوں سے محظوظ بھی نہ ہونے پائی تھیں کہ ۲۷؍مارچ کو حالت خراب ہوگئی، بیٹیاں بیٹے کبھی بچی کو دیکھنے ہاسپٹل جاتے کبھی ماں کو دیکھتے۔مولانا کے لیے یہ وقت بے حد صبر آزما تھا۔آخر ۲۸؍مارچ ساڑھے تین بجے چند منٹوں کے وقفے سے دونوں اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔جب دونوں میت پہلو بہ پہلو رکھی گئی تو یہ الم ناک منظر دیکھ کر عورتوں کی چیخیں نکل پڑیں اور مردوں کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

ساڑھے دس بجے دونوں میت کو مولانا کے آبائی وطن پریوانرائن پور لے جایا گیا۔ بنارس، جون پور، الہ آباد اور آس پاس کی بستیوں سے کافی لوگ جنازے میں شریک ہوئے۔جامعہ سلفیہ، جامعہ رحمانیہ، مدرسہ چشمۂ حیات رہٹی، جون پور اور دارالدعوۃ لال گوپال گنج کے اساتذۂ کرام کی ایک معتد بہ تعداد تجہیز وتکفین میں شامل ہوئی۔بدقسمتی سے میں شریک نہیں ہوسکا، لیکن لوگوں کا کہنا ہے ایک جم غفیر نے جنازے میں شرکت کی۔مولانا علی حسین سلفی نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔مغرب بعد عشاء سے کچھ قبل تدفین عمل میں آئی۔پس ماندگان میں چار بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ ماشاءاللہ سب اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ادارہ محدث مولانا کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور مولانا اور ان کے بچوں کو صبر دے، آمین۔

☆☆☆

اخبار جامعہ

جامعہ سلفیہ بنارس میں تعلیم وتربیت سے متعلق ایک اہم نشست:

بتاریخ ۲۷/مارچ ۲۰۱۲ء بروز منگل صبح ساڑھے گیارہ بجے جامعہ سلفیہ کے دارالضیافہ کے میٹنگ ہال میں تعلیم وتربیت کا جائزہ لینے کے لیے ناظم اعلی مولانا عبداللہ سعود صاحب نے اساتذۂ کرام کے ساتھ ایک میٹنگ کی جس کی صدارت کارگذار صدر مولانا شاہد جنید سلفی صاحب حفظہ اللہ نے فرمائی۔

اس میٹنگ میں اساتذہ وطلباء سے متعلق متعدد امور پر تبادلۂ خیال کیا گیا اور نظام تعلیم وتربیت کی تنفیذ وعملی جامہ پہنانے کے سلسلے میں باہمی تعاون نیز اپنی اپنی ذمہ داری کو خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دینے پر زور دیا گیا۔ طلباء کے اخلاق اور ان کے کمروں کی نگرانی کے عمل کو فعال وموثر بنانے نیز جامعہ کی مسجد میں نماز عصر کے بعد انہیں مختصر نصیحت کرنے کی جو بات گذشتہ میٹنگ میں طے کی گئی تھی اسے باضابطہ جاری رکھنے پر زور دیا گیا۔

تدریس سے متعلق یہ بات بھی زیر بحث آئی کہ اساتذہ کرام اس طرح رخصت لیں کہ ایک دن میں کئی کلاس بیک وقت خالی نہ رہیں، نیز طلباء کے ثقافتی پروگراموں میں اساتذہ کی شرکت رہے تاکہ طلباء کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی ہو۔

جامعہ سلفیہ کا سالانہ امتحان:

جامعہ سلفیہ کا رواں تعلیمی سال اب تکمیل کے مرحلے میں ہے، سالانہ امتحان ۵/مئی ۲۰۱۲ء بروز سنیچر شروع ہوگا، جو ۱۷/مئی ۲۰۱۲ء کو اختتام پذیر ہوگا ان شاءاللہ، امتحان کی تیاری کے لیے ۲۶/اپریل ۲۰۱۲ء بروز جمعرات اسباق بند کردیئے جائیں گے۔ جامعہ کی شاخ کے طلباء بھی حسب سابق جامعہ میں آکر امتحان دیں گے۔

جامعہ سلفیہ میں نیا داخلہ:

تعلیمی سال ۱۳-۲۰۱۲ء کے لیے جامعہ سلفیہ میں داخلہ کی کارروائی جاری ہے، داخلہ فارم جمع کرنے کی آخری تاریخ ۱۰/اپریل ۲۰۱۲ء مقرر کی گئی ہے۔ واضح رہے کہ حسب سابق امسال بھی داخلہ صرف متوسطہ اولی، عالم اول، فضیلت اولی، شعبۂ حفظ اور شعبۂ تجوید میں ہی ہوگا اور داخلہ امتحان جامعہ سلفیہ میں ہی بروز سوموار بتاریخ ۲۵/جون ۲۰۱۲ء منعقد ہوگا، ان شاءاللہ۔

ندوۃ الطلبہ اور حفلۃ الخطابہ کے انعامی مقابلے:

جامعہ سلفیہ کے ندوۃ الطلبہ اور حفلۃ الخطابہ کے تقریری انعامی مقابلے جاری ہیں، جو ہر جمعرات کو جامعہ کی مسجد اور سیمینار ہال میں منعقد ہورہے ہیں، اس سلسلہ کا آخری پروگرام ۱۹/اپریل ۲۰۱۲ء کو سیمینار ہال میں ہوگا، اس کی تفصیل ان شاءاللہ آئندہ شمارہ میں شائع کی جائے گی۔ (ادارہ)

☆☆☆

گوشۂ طلبہ

لجنۃ الثقافۃ کی آخری نشست

جامعہ سلفیہ کے پرشکوہ ووسیع ہال قاعۃ المحاضرات میں بروز جمعرات بتاریخ ۲۸ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۲ مارچ ۲۰۱۲ء کو بعد نماز عشاء ''لجنۃ الثقافۃ'' کی آٹھویں اور سال رواں کی آخری نشست کا انعقاد عمل میں آیا، جس کی صدارت ناظم اعلی جامعہ سلفیہ مولانا عبداللہ سعود سلفی حفظہ اللہ نے فرمائی۔ اس پروگرام میں طلبہ نے مصلحت مرسلہ کی شرعی حیثیت، دینی وعصری تعلیم میں تفریق صحیح یا غلط؟ اور مسلمان جذباتی تحریکوں سے کیسے بچیں جیسے اہم اور حساس موضوع پر مدلل خطاب کیا۔ بعد ازاں صدر محترم کو دعوت دی گئی، آپ نے ''لجنۃ الثقافۃ'' میں شرکت فرما کر اپنی خوشی کا اظہار کیا اور تمام مشترکین کی حوصلہ افزائی فرمائی، نیز آپ نے ''لجنۃ الثقافۃ'' کی سرگرمی کو وسعت دینے اور مزید موثر بنانے کے لیے تمام ضروری وسائل مہیا کرنے کا وعدہ بھی کیا، آپ نے بہت سے مفید مشوروں سے نوازا، اور طلبہ کو انعام واکرام سے بھی نوازا، فجزاه الله خيرا وأحسن الجزاء.

اخیر میں صدر محترم اور شیخ الجامعہ کے ہاتھوں تمام مشترکین اور اراکین ندوہ کو بھی انعامات سے نوازا گیا، نیز ان پانچ طلباء کو بھی گراں قدر انعامات سے سرفراز کیا گیا، جنہوں نے سال بھر میں سب سے زیادہ شرکت اور بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

۱- اول انعام: ابوطلحہ محمد ابراہیم / ف۳

۲- دوسرا انعام: نسیم اختر عبدالمجید / ف۱

۳- تیسرا انعام: محمد حامد محمد شفیع / ف۱

۴- چوتھا انعام: اسامہ فخر الدین / ع۱

۵- پانچواں انعام: فہیم اختر معین الحق / ف۱

امین لجنۃ الثقافۃ
صفی الرحمٰن محمد اشفاق حسین / ف۳

☆☆☆

باب الفتاوی

سوال: (ا) شادی کے موقعہ پر ایجاب وقبول کے بعد مجلس ومحفل نکاح میں مٹھائی، کھجور، چھوہارا، بتاشہ، لڈو وغیرہ تقسیم کئے جاتے ہیں، کیا یہ سنت رسول ﷺ سے یا صحابہ کرام سے ثابت ہے؟

(۲) بہت سے حضرات وضوء کے بعد اپنے کپڑے، پائجامہ یا لنگی وغیرہ پر پانی کا چھینٹا مارتے ہیں، اس کی کیا شرعی حیثیت ہے؟ مدلل جواب دیں، مشکور ہوں گا۔

الجواب بعون اللہ الوہاب وھو الموفق للصواب:

(ا) صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ اللہ رب العالمین نے تمام انسانوں کی زندگی کے تمام معاملات میں رسول اللہ ﷺ کو بہترین نمونہ وآئیڈیل قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے: "ولقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة" (سورۃ الاحزاب:۲۱) پھر یہ بھی فرمایا اللہ تعالی نے کہ تمام عبادات ومعاملات کو اللہ اور اس کے حکم کے مطابق انجام دو، "أطيعوا الله وأطيعوا الرسول" (سورۃ النساء:۵۹)

نکاح زندگی کے اہم معاملات میں سے ایک اہم معاملہ ہے، شریعت کے مطابق نکاح کرنا ہمارے رسول ﷺ کی ایک اہم سنت ہے، آپ ﷺ نے کئی عورتوں سے شادیاں کیں، اور اپنی حیات مبارکہ میں کئی صحابہ وصحابیات کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نکاح پڑھائے، جب ہم ان شادیوں کے حالات کا سیر واحادیث کی کتابوں میں بغور مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں کسی بھی صحیح حدیث سے یہ ثبوت نہیں ملتا کہ آپ ﷺ نے یا صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی کسی نکاح کے بعد مٹھائیاں، چھوہارے یا لڈو وغیرہ تقسیم کئے ہوں، حقیقت میں یہ ایک ایسی رسم ہے جو مسلمانوں میں رواج پا گئی، مسلمانوں میں اس فعل بد کے رواج پانے کے وجوہات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس پر چند ضعیف اور موضوع روایات ہیں جو عوام الناس میں مشہور ہوگئیں۔ ان روایات میں بعض مندرجہ ذیل ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

(ا) مشہور صحابی وخادم رسول ﷺ حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک انصاری مرد اور عورت کی شادی میں تشریف فرما ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "تم لوگوں کا (اس شادی پر) شاہد کہاں ہے؟ ان لوگوں نے کہا: شاہد کیا چیز ہے؟ (اے اللہ کے رسول!) تو اس پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "دف" تو ان حضرات نے دف لایا، آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے ساتھی کے سر پر بجاؤ، پھر وہ اپنے برتن کو چھوہاروں وغیرہ سے بھر کر لائے اور پھر ان چھوہاروں کو بکھیر دیئے، لوگ اسے لوٹنے یا حاصل کرنے سے (مارے خوف کے) رکے رہے، تو آپ ﷺ نے نہ لوٹنے کی وجہ دریافت کی تو ان لوگوں نے کہا کہ آپ نے لوٹنے سے منع کیا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے لشکروں میں لوٹنے سے منع کیا ہے، شادی اور اس طرح کے موقعوں پر لوٹنے سے منع نہیں کیا ہے۔ (الموضوعات:۲/۲۶۶) یہ روایت انتہائی درجہ کی ضعیف ہے، اس کی سند میں خالد بن اسماعیل راوی ہے، یہ شخص روایات گڑھ کر بیان کرنے میں مشہور تھا، جیسا کہ امام ابن عدی ؒ نے فرمایا: امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ اس شخص سے کسی بھی صورت میں حجت پکڑنا درست وجائز نہیں ہے۔ امام بیہقی ؒ نے بھی کچھ اسی طرح کی باتیں فرمائیں۔ (بیہقی ۷/۲۸۸)

(۲) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت ہے کہ: "أن رسول الله ﷺ تزوج بعض نسائه فنثر عليه التمر" (الکامل فی ضعفاء الرجال ۲/۱۴۷، سنن بیہقی ۷/۲۸۷) یعنی رسول اللہ ﷺ نے اپنی کسی عورت سے شادی کی تو آپ ﷺ پر خشک کھجوریں بکھیری گئیں۔

یہ روایت بھی انتہائی درجہ کی ضعیف وکمزور ہے، اس روایت کی سند میں ایک راوی الحسن بن عمرو سیف العبدی ہے، اسے امام بخاری ؒ

نے کذاب کہا ہے، اور امام ابو حاتم رازی ؒ نے اسے متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ (المغنی فی ضعفاء الرجال ۱/۲۵۴، کتاب الضعفاء والمتروکین ۱/۲۰۸)

غرضیکہ یہ اور اس سے متعلق جو بھی روایات ہیں، وہ سب کی سب ضعیف اور کمزور ہیں اور وہ روایات اس لائق نہیں ہیں کہ ان پر عمل کیا جاسکے۔ اس لیے نکاح کے بعد محفل مجلس نکاح میں لڈو، کھجور، چھوہارا، مٹھائی وبتاشہ وغیرہ تقسیم کرنے کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے، شاید یہ ایک ہندوانہ رسم ورواج ہے، جو مسلمانوں میں رواج پا گیا ہے۔

اللہ تعالی تمام مسلمانوں کو سنت رسول ﷺ کے مطابق زندگی گذارنے کی توفیق دے، آمین۔

(۲) صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ فراغت وضوء کے بعد وسوسہ یا شک وشبہ وغیرہ کے ازالے کے لیے شرمگاہ کے کپڑے پر پانی کے چھینٹے مارنے سے متعلق متعدد احادیث صحیحہ وآثار ملتے ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا کرنا جائز ودرست ہی نہیں بلکہ ایک مستحسن عمل ہے، اللہ رب العالمین اس عمل کے ذریعہ شیطانی وسوسے اور شک وشبہ کو دور کرتا ہے، سنن نسائی میں ایک حدیث مروی ہے جس کے الفاظ کچھ یوں ہیں: "عن الحكم بن سفيان قال: رأيت رسول الله ﷺ توضأ ونضح فرجه"۔ (نسائی شریف، کتاب الطہارۃ، باب النضح ح:۱۳۱) یعنی صحابی رسول حضرت حکم بن سفیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اللہ کے رسول جناب محمد ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے وضوء کیا اور اپنی شرمگاہ (کے کپڑے) پر پانی کا چھینٹا مارا۔

اور ایک روایت جو کہ سنن ابی داود، کتاب الطہارۃ، باب فی الانتضاح ح:۱۶۶ میں موجود ہے، امام حاکم ؒ اور علامہ ذہبی ؒ نے کہا کہ یہ روایت صحیحین کی شرط پر صحیح ہے، اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "كان رسول الله ﷺ إذا بال يتوضأ وينتضح" یعنی رسول اللہ ﷺ پیشاب کرتے تو وضوء کرتے اور اپنی شرمگاہ پر چھینٹے مارتے۔

ان احادیث کے علاوہ کچھ اعمال وآثار صحابہ ایسے ملتے ہیں جن سے اس عمل کا ثبوت ملتا ہے، جیسا کہ حضرت امام نافع ؒ جو بہت مشہور ومعروف تابعی ہیں، بیان کرتے ہیں: "كان ابن عمر إذا توضأ نضح فرجه" (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۹۴) یعنی حضرت عبداللہ بن عمر ؓ جب وضوء کرتے تو اپنی شرمگاہ پر چھینٹے مارتے تھے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے ایک شخص نے اپنی ایک تکلیف بیان کی کہ جب میں نماز پڑھتا ہوں تو مجھے خیال آتا ہے کہ میری شرمگاہ پر (پیشاب) تری ہے، تو صحابی رسول حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: "قاتل الله الشيطان انه يمس ذكر الإنسان في صلاته ليريك انه قد أحدث فإذا توضأت فانضح فرجك بالماء، فإن وجدت، قلت هو من الماء، ففعل الرجل ذلك فذهب"۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، باب: ۲۰۴، باب من کان إذا توضأ نضح فرجہ، ومصنف عبد الرزاق: ۱/۶۰، ۶۱، باب قطر البول، ونضح الفرج إذا وجد بللا) اس کا ماحصل یہ ہے کہ شخص مذکور نے حضرت ابن عباس ؓ کے مشورہ پر عمل کیا تو اللہ رب العالمین نے اس کے وسوسہ کو اس عمل کے ذریعہ دور کردیا۔

مذکورہ بالا تمام احادیث اور آثار صحابہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وضوء کے بعد شرمگاہ کے اوپر پانی کا چھینٹا مارنا سنت سے ثابت ہے، ایسا عمل کرنا مستحسن عمل ہے، خصوصا ان حضرات کے لیے جو شیطانی وسوسوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ اللہ تعالی ہمیں شیطانی وسوسوں سے محفوظ رکھے، آمین۔ ☆

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب

ابو عفان نور الہدی عین الحق سلفی مالدہی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس